

چاندنگر

ابن انشاء

چاندنگر

شاعری

ابن انشاء

چاند کے تمنائی

شہر دل کی گلیوں میں
 شام سے بھٹکتے ہیں
 چاند کے تمنائی
 بے قرار سودائی
 دل گداز تار کی
 جاں گداز تنہائی
 روح و جاں کو ڈستی ہے
 روح و جاں میں بستی ہے
 شہر دل کی گلیوں میں
 تاک شب کی بیلوں پر
 شبنمیں سرشکوں کی
 بے قرار لوگوں نے
 بے شمار لوگوں نے
 یادگار چھوڑی ہے
 اتنی بات تھوڑی ہے

صد ہزار باتیں تھیں
 حیلہ شکیبائی

صورتوں کی زیبائی
 قاتلوں کی رعنائی
 ان سیاہ راتوں میں
 ایک بھی نہ یاد آئی
 جا بجا بھٹکتے ہیں
 کس کی راہ تکتے ہیں
 چاند کے تمنائی
 یہ نگر کبھی پہلے
 اس قدر نہ ویراں تھا
 کہنے والے کہتے ہیں
 قریہ نگاراں تھا
 خیر اپنے جینے کا
 یہ بھی ایک ساماں تھا

آج دل میں ویرانی
 ابر بن کے گھر آئی
 آج دل کو کیا کہئے
 باوقانہ ہر جائی
 پھر بھی لوگ دیوانے
 آگئے ہیں سمجھانے
 اپنی وحشت دل کے

بن لیے ہیں افسانے
 خوش خیال دنیا نے
 گرمیاں تو جاتی ہیں
 وہ رتیں بھی آتی ہیں
 جب ملوں راتوں میں
 دوستوں کی باتوں میں
 جی نہ چین پائے گا
 اور اوب جائے گا
 آہٹوں سے گونجے گی
 شہر دل کی پہنائی
 اور چاند راتوں میں
 چاندنی کے شیدائی
 ہر بہانے نکلیں گے
 آزمانے نکلیں گے
 آرزو کی گیرائی
 ڈھونڈنے کو رسوائی
 سرد سرد راتوں کو
 زرد چاند بخشنے گا
 بے حجاب تنہائی
 شہر دل کی گلیوں میں



اے متوالو! ناقوں والو!

اے متوالو! ناقو والو! دیتے ہو کچھ اس کا پتا
مجد کے اندر مجنوں نامی ایک ہمارا بھائی تھا
آخر اس پر کیا کچھ بتی؟ جانو تو احوال کہو
موت می یا لیلیٰ پائی؟ دیوانے کا مال کہو
عقل کی باتیں کہنے والے دوستوں نے اسے سمجھایا
اس کو تو لیکن چپ سی لگی تھی، نا بولا نہ باز آیا
خیر اب اس کی بات کو چھوڑو، دیوانا پھر دیوانا
جاتے جاتے ہم لوگوں کا ایک سندیلا لے جانا

آوارہ پھرنا چھوڑ کے منڈلی یاروں کی
دیکھ رہے ہیں دیکھنے والے انشا کا اب حال وہی
کیا اچھا خوش باش جواں تھا جانے کیوں بیمار ہوا
اٹھتے بیٹھتے میر کی بیتیں پڑھنا اس کا شعار ہوا
طور طریقہ اکھڑا اکھڑا چہرہ پیلا سخت ملول
راہ میں جیسے خاک پہ کوئی مسلا مسلا باغ کا پھول
شام سویرے بال بکھیرے بیٹھا بیٹھا روتا ہے
ناقوں والو! ان لوگوں کا عالم کیسا ہوتا ہے

اپنا بھی وہ دوست تھا ہم بھی پاس اس کے بیٹھ آتے ہیں
 ادھر ادھر کے قصے کہہ کے بے اس کا بہلاتے ہیں
 اکھڑی اکھڑی بات کرے ہے بھول کے اگلا یارانا
 کون ہو تم؟ کس کام سے آئے؟ ہم نے نہ تم کو پہچانا
 جانے یہ کس نے چوٹ لگائی؟ جانے یہ کس کو پیار کرے
 تمہی کہو ہم کس کو ڈھونڈیں آہیں کھینچے نام نہ لے
 پیت میں ایسے جان سے یارو کتنے لوگ گزرتے ہیں
 پیت میں ناحق مر نہیں جاتے پیت تو سارے کرتے ہیں
 اے متوالو ناقوں والو! نگری نگری جاتے ہو
 کہیں جو اس کی جان کا بیری مل جائے یہ بات کہو
 چاک گریباں اک دیوانہ پھرتا ہے حیراں حیراں
 پتھر سے سر پھوڑ مرے گا دیوانے کو صبر کہاں
 تم چاہو تو بستی چھوڑے تم چاہو تو دشت بسائے
 تم چاہو تو کچھ دن جی لے دامن سی لے ہوش میں آئے
 اے متوالو! ناقوں والو! ورنہ اک دن یہ ہو گا
 تم لوگوں سے آتے جاتے پوچھیں گے انشا کا پتا



یہ سرائے ہے

یہ سرائے ہے یہاں کس کا ٹھکانا ڈھونڈو
یاں تو آتے ہیں مسافر سو چلے جاتے ہیں

ہاں یہی نام تھا کچھ ایسا ہی چہرہ مہرا
یاد پڑتا ہے کہ آیا تھا مسافر کوئی
سونے آگن میں پھرا کرتا تھا تنہا تنہا
کتنی گہری تھی نگاہوں کی اداسی اس کی
لوگ کہتے تھے کہ ہو گا کوئی آسیب زدہ
ہم نے ایسی بھی کوئی بات نہ اس میں دیکھی

یہ بھی ہمت نہ ہوئی پاس بٹھا کے پوچھیں
دل یہ کہتا تھا کوئی درد کا مارا ہو گا
لوٹ آیا ہے جو آواز نہ اس کی پائی
جانے کس در پہ کسے جا کے پکارا ہو گا
یاں تو ہر چیز کی باتیں ہیں یہ جیتیں ماتیں
یہ بھی چاہت کے کسی کھیل میں ہارا ہو گا

ایک تصویر تھی، کچھ آپ سے ملتی جلتی
ایک تحریر تھی، پر اس کا تو قصہ چھوڑو
چند غزلیں تھیں کہ لکھیں کبھی لکھ کر کاٹیں
شعر اچھے تھے جو سن لو تو کلیجہ تھامو
بس یہی مال مسافر کا تھا ہم نے دیکھا
جانے کس راہ میں کس شخص نے لوٹا اس کو

گزرا کرتے ہیں سلگتے ہوئے باقی ایام
لوگ جب آگ لگاتے ہیں بجھاتے بھی نہیں
اجنبی پیت کے ماروں سے کسی کو کیا کام
بستیوں والے کبھی ناز اٹھاتے بھی نہیں
چھین لیتے ہیں کسی شخص کے جی کا آرام
پھر بلاتے بھی نہیں، پاس بٹھاتے بھی نہیں

ایک دن صبح جو دیکھا تو سرائے میں نہ تھا
جانے کس دیس گیا ہے وہ دوانا، ڈھونڈو
ہم سے پوچھو تو نہ آئے گا وہ جانے والا
تم تو ناحق کو بھٹکنے کا بہانا ڈھونڈو
یاں تو آیا جو مسافر یونہی شب بھر ٹھہرا
یہ سرائے ہے یہاں کس کا ٹھکانا ڈھونڈو



کاتک کا چاند

چاند کب سے ہے سر شاخ صنوبر اٹکا
 گھاش شبنم میں شرابور ہے شب ہے آدھی
 بام سوتا ہے کہاں ڈھونڈیں کسی کا چہرا
 لوگ سمجھیں گے کہ بے ربط ہیں باتیں اپنی
 شعر اگتے ہیں دکھی ذہن سے کونپل کونپل
 کون موسم ہے کہ بھرپور ہیں غم کی بیلین
 دور پہنچے ہیں سرکتے ہوئے اودے بادل
 چاند تنہا ہے اگر اس کی بلائیں لے لیں
 دوستو جی کا عجب حال ہے لینا بڑھنا
 چاندنی رات ہے کاتک کا مہینا ہو گا
 میر مغفور کے اشعار نہ پیہم پڑھنا
 جینے والوں کو ابھی اور بھی جینا ہو گا
 چاند ٹھٹکا ہے سر شاخ صنوبر کب سے
 کون سا چاند ہے کس رت کی ہیں راتیں لوگو
 دھند اڑنے لگی بننے لگی کیا کیا چہرے
 اچھی لگتی ہیں دونوں کی سی باتیں لوگو
 بھلی رات میں دہکا ہوا جھینگر بولا
 کسماتی کسی جھاڑی میں سے خوشبو لپکی

کوئی کاکل، کوئی دامن، کوئی آنچل ہو گا
ایک دنیا تھی مگر ہم سے سمیٹی نہ گئی

یہ بڑا چاند چمکتا ہوا چہرہ کھولے
بیٹھا رہتا ہے سر بام شبستاں شب کو
ہم تو اس شہر میں تنہا ہیں ہمیں سے بولے
کون اس حسن کو دیکھے گا یہ اس سے پوچھو
سونے لگتی ہے سر شام یہ ساری دنیا
ان کے حجروں میں نہ در ہے نہ دریچہ کوئی
ان کی قسمت میں شب ماہ کو رونا کیسا
ان کے سینے میں نہ حسرت نہ تمنا کوئی

کس سے اس درد جدائی کی شکایت کہئے
یاں تو سینے میں نیتاں کا نیتاں ہو گا
کس سے اس دل کے اجڑنے کی حکایت کہئے
سننے والا بھی جو حیراں نہیں حیراں ہو گا
ایسی باتوں سے نہ کچھ بات بنے گی اپنی
سونی آنکھوں میں نراشا کا گھلے گا کاجل
خالی سپنوں سے نہ اوقات بنے گی اپنی
یہ شب ماہ کٹ جائے گی بے کل بے کل

جی میں آتی ہے کہ کمرے میں بلا لیں اس کو
 چاند کب سے ہے سر شاخ صنوبر اٹکا
 رات اس کو بھی نکل جائے گی بولو بولو
 بام پر اور نہ آئے گا کسی کا چہرا



اے مرے سوچ نگر کی رانی

تجھ سے جو میں نے پیار کیا ہے تیرے لیے نہیں اپنے لیے
 وقت کی بے عنوان کہانی کب تک بے عنوان رہے
 اے مرے سوچ نگر کی رانی اے مرے خلد خیال کی حور
 اتنے دنوں جو میں گھلتا رہا ہوں تیرے بنا یونہی دور ہی دور
 سوچ تو کیا پھل مجھ کو ملا میں من سے گیا پھر تن سے گیا
 شہر وطن میں اجنبی ٹھہرا آخر شہر وطن سے گیا
 روح کی پیاس بھجانی تھی پر یہاں ہونٹوں کی پیاس بھی بھج نہ سکی
 بچتے سنبھلتے بھی ایک سلگتا روگ بنی مرے جی کی لگی
 دور کی بات نہ سوچ ابھی مرے ہات میں تو ذرا بات تو دے
 تجھ سے جو میں نے پیار کیا ہے تیرے لیے نہیں اپنے لیے
 باغ میں ہے ایک بیلے کا تختہ بھینی ہے اس بیلے کی سنگدھ
 اے کلیو کیوں اتنے دنوں تم رکھے رہیں اسے گود میں بند
 کتنے ہی ہم سے روپ کے رسیا آئے یہاں اور چل بھی دیئے
 تم ہو کہ اتنے حسن کے ہوتے ایک نہ دامن تھام سکے
 صحن چمن پر بھوزوں کے بادل ایک ہی پل کو چھائیں گے
 پھر نہ وہ جا کر لوٹ سکیں گے پھر نہ وہ جا کر آئیں گے
 اے مرے سوچ نگر کی رانی وقت کی باتیں رنگ اور بو
 ہر کوئی ساتھ کسی کا ڈھونڈے گل ہوں کہ بیلے میں ہوں کہ تو

جو کچھ کہنا ہے ابھی کہہ لے جو کچھ سننا ہے سن لے
تجھ سے جو میں نے پیار کیا ہے تیرے لیے نہیں اپنے لیے

دل کی نہ پوچھو کیا کچھ چاہے دل کا تو پھیلا ہے دامن
گہت سے گل غزل سی آنکھیں ساعد سیمیں برگ دہن
جوڑے کے انہی پھولوں کو دیکھو کل کی سی ان میں باس کہاں
ایک اک تارا کر کے ڈوبی ماتھے کی طناز افشاں
سہنے کا دکھ سہہ نہ سکے ہم کہنے کی باتیں کہہ نہ سکے
پاس ترے کبھی آ نہ سکے ہم دور بھی تجھ سے رہ نہ سکے
کس سے کہے اب روح کی پتا کس کو سنائے من کی بات
دور کی راہ بھٹکتا راہی جیون رات گھنیری رات
ہونٹوں کی پیاس بجھانی ہے اب ترے جی کو یہ بات لگے نہ لگے
تجھ سے جو میں نے پیار کیا ہے تیرے لیے نہیں اپنے لیے



غم رائیگاں

پھر بہار آئی ہے پھر کلیوں نے مہکائے ہیں بن
لیکن اے یارو خزاں اچھی کہ سینے کی جلن؟
آج تو بھادوں کی برکھا ہو گئے آنکھوں کے نیر
صبح دم دیکھیں گے اجلا ہے کہ میلا پیرہن
چاند کن پیڑوں کی شاخوں میں الجھ کر رہ گیا
اس اندھیرے میں قیامت ہو چلی جی کی دکھن
اپنی راتوں کی فغاں تیری صدائے پی کہاں
اے پیسے اپنی قسمت میں کہاں پی کا ملن؟

کل بھی اندھیارے گھنیرے راستے تاریک تھے
کل بھی اس دامن کی دولت تھا غم دل کا غبار
کل بھی بجھ جاتے تھے جل اٹھتے تھے یادوں کے دیے
کل بھی دل پر ہاتھ جا پڑتا تھا یونہی بار بار
کل بھی آشفٹ تھی افتادہ تھی واماندہ امید
اپنے کانوں تک پہنچ پاتی نہ تھی اپنی پکار
لہریے بنتے تھے بیتا پیسے انجانے سے گیت
جھنجھنا اٹھتے تھے ہر جھونکے پہ غمگینی کے تار
لیکن اتنی بھی سہانی تھی کہاں داغوں کی سیر
جی بیاکل ہی سہی اتنا مگر خود سے نفور

آج تو جی کی لگی لینے لگی صدیوں کا میر
چاند نکلا ہے کھلے انبر سے لیکن دور دور
بن کر پہنائی میں پھر چھائی ہے پھولوں کی گندھ
آج تو ان کو بھی اس محفل میں لانا ہے ضرور
اوس میں بھیگا پیپہا سر چمک کر سو گیا
اور تو تیرا نہیں تیرے ستاروں کا قصور

کارواں در کارواں سپنوں کو برائے ہوئے
لوگ تو جانے لگے انشا چلو تم بھی چلو
کب تلک اپنے کتاں سینے سے چٹائے ہوئے
بے کفن لے کے پھرو گئے چاندنی کی لاش کو
کون سے پی سے لگائی ہے امید بازوید
کون سے پی کے لیے بیٹیں کہو غزلیں لکھو
چاند میلا ہے ستارے دور ہیں لمبی ہے رات
بیکراں ہے درد مہجوری کا ساگر دوستو

تم پہ تو بے نام جادو کر گئی کرنوں کی بات
لوٹ جائے گی مگر شب بھر چمک کی چاندنی
دل کی ہر دھڑکن کو دے جائے گی صدیوں کا ثبات
بے اماں بے مہر بے پروا ستمگر چاندنی
دن کو کس کلفت سے پہنچاتی ہے وحشت تا بہ شام
اور پھر کھولے ہے جو دکھڑوں کا دفتر چاندنی

جانے کس کس آس کی پاداش ہیں اپنے نصیب
یعنی اکثر عشق، اکثر درد، اکثر چاندنی

سال آتے ہیں گزر جاتے ہیں رہتا ہے وہیں
بے شکن بستر کو مہکاتا ہوا کلیوں کا ڈھیر
ہم جو ہرجائی نہیں پھر کوئی ہرجائی نہیں
ایک اک سنے میں اک مہوش ہے اور کتنا دلیر
یونہی بے پوچھے ہی در آتا ہے ہر تازہ خیال
یونہی ہر قامت کے اپنانے میں ہو جاتی ہے دیر
گو نجق ہیں من کی ویرانی میں کیا کیا آہٹیں
اور یوں ہر شام کی ہوتی ہے مشکل سے سویر

دلی کی انگنائی کو گرماتی ہے ہر موسم کی دھوپ
کون جانے باغ میں اب کے ہے کس رت کا چلن
اتنے دامن، اتنے آنچل اتنے چہرے اتنے روپ
کون سی ان میں سے ہے اپنے خیالوں کی دلہن
آسماں ہے وادی انجم ہے تنہا چاند ہے
کوئی دیوانہ پس محمل رواں خود میں گمن
اور یاروں کو ابھی ضد ہے کہ اٹھ کے دیکھ لو
پھر بہار آئی ہے پھر کلیوں نے مہکائے ہیں بن



ایسی راتیں بھی کئی گزری ہیں

کہاں گیا تھا گھڑی دو گھڑی میں لوٹ آیا
شب فراق کا تارا رکاب میں لایا
اداس شام ابھی کتنی رات باقی ہے

یہ آج کون سی تاریخ تھی مہینے کی
مہ تمام سر آسماں ابھر آیا
مہ تمام ابھی کتنی رات باقی ہے

سنو سنو وہ کسی دور کے محلے میں
ادائے خاص سے ہے پہریدار چلایا
کسی کا نام ابھی کتنی رات باقی ہے

وہ چرچ روڈ کے گھٹنے نے دو بجا بھی دیے
وہ پھیل پھیل چلا نیم کا گھنا سایا
بہ صحن و باغ ابھی کتنی رات باقی ہے

یہ کس کے پاؤں کی جھانجھن تھی کس نفس کی سگندھ
یہ کس کے رخ کا اجالا ہوا تھا کون آیا

خیال خام ابھی کتنی رات باقی ہے

حریف مرحلہ ہفت خواں ہے منزل عشق
اسی طرح جو دل بے قرار بھر آیا
بہر مقام ابھی کتنی رات باقی ہے

ستارۂ سر مشرق غبارِ رہ سے ملول
دیارِ دور سے یاں تک تو کس طرح آیا
بہ ایں خرام ابھی کتنی رات باقی ہے

افق پہ غول بیاباں ہے یا سپیدۂ صبح
شب فراق تجھے یاں تک تو پہنچایا
بہ اہتمام ابھی کتنی رات باقی ہے



لوگ پوچھیں گے

لوگ پوچھیں گے کیوں اداس ہو تم
 اور جو دل میں آئے سو کہو
 یونہی ماحول کی گرانی ہے
 دن خزاں کے ذرا اداس سے ہیں
 کتنے بوجھل ہیں شام کے سائے
 ان کی بابت خاموش ہی رہو
 نام ان کا نہ درمیاں آئے
 نام ان کا نہ درمیاں آئے
 ان کی بابت خاموش ہی رہو
 کتنے بوجھل ہیں شام کے سائے
 دن خزاں کے ذرا اداس سے ہیں
 یونہی ماحول کی گرانی ہے
 اور جو دل میں آئے سو کہو
 لوگ پوچھیں گے کیوں اداس ہو تم؟



سائے سے

کیوں مرے ساتھ ساتھ آتا ہے؟
میری منزل ہے بے نشان ناداں
ساتھ میرا ترا کہاں ناداں

تھک گئے پاؤں پڑ گئے چھالے
منزلیں ٹھٹھا رہی ہیں دور
بستیاں اور جا رہی ہیں دور

میں اکیلا چلوں گا اے سائے
کون عہد وفا نبھاتا ہے؟
کیوں مرے ساتھ ساتھ آتا ہے؟

تو ابھی جا ملے گا سایوں میں
میں کہاں جاؤں میں کہاں جاؤں
کس کی آغوش میں اماں پاؤں



انتظار کی رات

امدتے آتے ہیں شام کے سائے
 دم بدم بڑھ رہی ہے تاریکی
 ایک دنیا اداس ہے لیکن
 کچھ سے کچھ سوچ کر دل وحشی
 مسکرانے لگا ہے جانے کیوں؟
 وہ چلا کارواں ستاروں کا
 جھومتا ناچتا سوئے منزل
 وہ افق کی جبین دمک اٹھی
 وہ فضا مسکرائی لیکن دل
 ڈوبتا جا رہا ہے جانے کیوں



وہ درتے

کب سے اس چوک میں کھڑا ہوں میں
 ان درپچوں کو تک رہا ہوں میں
 ہائے کیا یاد آ گیا اے دوست
 ذکر ہے پار سال کا اے دوست
 بارہا سیر کے لیے جاتے
 میں نے اس راہ سے گزرتے ہوئے
 ایک مدقوق سا حسین چہرہ
 ان درپچوں سے جھانکتے دیکھا
 کتنے موہوم ولولے جانے
 ہر نظر میں تڑپ رہے ہوتے
 جیسے کوئی خزاں زدہ پودا
 ہو یہی سوچ سوچ کر جیتا
 ہیں کوئی دن یہ انتظار کے دن
 پھر پلٹ آئیں گے بہار کے دن
 جا کے پردیس لوٹ آیا ہوں
 اور اسی راہ سے گزرتا ہوں
 لیکن اے دوست اب کبھی میں نے
 یہ درتے کھلے نہیں دیکھے

شاید	مرگیا	پیار	حسن
پودا	زدہ	خزاں	سوچتا
سکا	نہ	کر	انتظار
شاید	آشنا	سے	تھا



اسی میں تو یہی کچھ ہوتا ہے یہ خلش کہاں سے ہوتی

تو کہے جائے گا کب تک کہ ہوا کچھ بھی نہیں
اے دل اس درد کی سنتے ہیں دوا کچھ بھی نہیں
کس لیے چین سے محروم ہیں اپنے شب و روز
کچھ سمجھ میں نہیں آتا، بخدا کچھ بھی نہیں
مہرباں بھی ہیں، محبت بھی ہے ان کو ہم سے
لوگ کہتے ہیں مگر ہم کو پتا کچھ بھی نہیں
آزمائیں تو سہی جذب محبت انشا
ان کی نظروں میں چلو مان لیا کچھ بھی نہیں

دل و جانم بتو مشغول و نگاہم چپ و راست
تا نہ داند حریفان کہ تو منظور منی

اے تو کہ ترے حسن کا شہرہ ہے جہاں میں
کیوں عشق پہ احسان گوارا نہیں تجھ کو
یہ برہمی نشتر ہے ہماری رگ جاں میں
کیوں پاس کچھ اے دوست ہمارا نہیں تجھ کو

کچھ لطف شانہ کی نہ خوشبو کی ہوس ہے

ہم رنگ پرستوں کی جسارت پہ نہ جانا
اک لمحہ شیریں کا ہمیں لمس ہی بس ہے
اے غنچہ نو یافتہ پہلو نہ چرانا

ہم آہ بھریں نالہ کریں کچھ نہ کہیں تو
سب تیرے لیے تجھ کو یقین آئے نہ آئے
یاروں نے کبھی کیفیت درد جو پوچھی
ہم نے انہیں برجستہ فسانے ہی سنائے
پر تم سے تو پوشیدہ نہیں اپنی حکایت
اس رشتہ نازک کو نہ الجھاؤ تو اچھا
اب اور بڑھاؤ نہ غم صبر طلب کو
اب پردہ دوری سے نکل آؤ تو اچھا

کون آیا مرے پہلو میں یہ خواب آلودہ
زلف برہم کئے با چشم حجاب آلودہ

بالوں میں ترے شانہ بنیں انگلیاں میری
باہوں کو تری تکیہ رخسار بنایا
چپکے سے کبھی ڈوب گیا چاہ ذقن میں
زلفوں کو لبوں سے کبھی پلکوں سے لگایا

اس شب کی سحر برق بلا تھی کہ چھلاوا
اس رات نہ نختہ تھے نہ واماندہ ستارے

رخسار ترے سینہ بریاں سے لگا کے
ہم سو نہ سکے کلفت ایام کے مارے
پھر سر پہ تھا خورشید حقیقت کا اجالا
پھر خواب پریشاں تھے خیالوں کی راہوں میں
تم تھے کہ تصور ہی سے آباد تھی دنیا
سرگوشیاں ہوتی ہی رہیں خواب گہوں میں

کچھ تجھ کو خبر ہے کہ غم نیم شبی میں
میں تیری عنایت کے سہارے ہی گیا تھا
وحشت کے بیاباں میں مری تشنہ لبی نے
انعام میں اک قطرۂ شبنم ہی پیا تھا

لیکن اسی قطرۂ شبنم کی طلب میں
امید سے محروم جہاں گرد تھا کب سے
اس کی بھی نظر میں تھی یہ دزدیدہ نگاہی
راہی کو گزرنا تھا مگر منزل شب سے
اب موت گوارا نہ ترا ہجر گوارا
ہم منتظر آدم فردا ہی رہیں گے
تو خوب سمجھتا ہے نگاہوں کی زباں کو
کہنے کو بہت کچھ ہے مگر کچھ نہ کہیں گے
دل کے کلکڑوں کو بغل بیچ لیے پھرتا ہوں
کچھ علاج اس کا بھی اے شیشہ گراں ہے کہ نہیں

تمہیں تعجب ہوا ہے شاید مجھے جو ہے عشق تم سے کیوں ہے
کہ تم سے بڑھ کے حسیں تو مجھ کو ہر ایک کوچے میں مل سکے گا
تم اپنے دل میں سمجھ رہے ہو یہ خام کاری ہے یا جنوں ہے
ذرا تغافل سے کام لو گے تو خود ہی میدان چھوڑ دے گا

ابھی یہ کل ہی کی بات ہے تم کو اس قدر تھا خیال میرا
کہ شاید اپنے پہ جبر کر کے بھی میری ہر بات مانتے تھے
ابھی یہ کل ہی کی بات ہے تم اداس لمحات نیم شب میں
مرے دل شیفۃ کی تسکین کو حاصل زیت جانتے تھے

تو پھر یہ اپنا قصور مانو تمہی نے لمحات نیم شب میں
مرے دل درد مند کو ایک آرزوئے حیات بخشی
مجھے تو اس رات کی سحر کی نہ آرزو تھی نہ یہ خبر تھی
کہ اس سفینے کو غم کا ظلمات پار کرنا ہے لازمی بھی

میں دور رکھوں گا خود کو تم سے تمہارے گھر بھی نہ آؤں گا
مگر تم اپنی شفیق نظروں میں اجنبیت سمو سکو گے
اگر میں راتوں کو کاہش غم سے تا سحر جاگتا رہوں گا
تو اس قدر پاس رہ کے بھی مجھ سے اس قدر دور ہو سکو گے؟

مجھے تو منظور ہے یہ سب کچھ میں رو کے جی لوں سسک کے جی لوں
مگر مری ایسی زندگی پر تمہی کو شاید ملال ہو گا
نہ جانے کس کس شفیق دل پر یہ شاق گزرے گا میرا مرنا

مرا مرض لادوا نہیں تھا، مگر یہ کس کو خیال ہو گا

ایک غزل مناسب حال

دل نے ہمارے بیٹھے بیٹھے کیسے کیسے روک لگائے
تم نے کسی کا نام لیا اور آنکھوں میں اپنی آنسو آئے
جتنی زبانیں اتنے قصے اپنی اداسی کے کارن کے
لیکن لوگ ابھی تک یہ سادہ سی پہیلی بوجھ نہ پائے
عشق کیا ہے کس سے کیا ہے کب سے کیا ہے کیسے کیا ہے؟
لوگوں کو اک بات ملی اپنے کو تو لیکن رونا آئے
راہ میں یونہی چلتے چلتے ان کا دامن تھام لیا تھا
ہم ان سے کچھ مانگیں چاہیں ہم سے تو یہ سوچا بھی نہ جائے
نجم سحر کے چہرے سے انشا اتنی بھی امیدیں نہ لگاؤ
ایسا بھی ہم نے دیکھا ہے اکثر رات کٹے اور صبح نہ آئے



لو آج کی شب بھی سوچکے ہم

شام جدائی پھر لوٹ آئی سوئے ہوئے فتنوں کو جگایا
اک بے نام کک کے ہاتھوں بات بات پر دل بھر آیا
آج بھی شاید ساتھ تمہارا منزل تک دیتا ہے ستارو
پہلے بھی ہم نے اکثر تم کو صبح کی وادی تک پہنچایا
آنکھ مچولی کھیل کر گئے کب تک یہ راتوں کے دھندلکے
چاپ چاپ پر دل پوچھے گا یہ کون آیا یہ کون آیا
انسا جی پھر اتنے سویرے صبر کا دامن چھوڑ رہے ہو
پچھلی رات کا درد ابھی تک سینے سے مننے نہیں پایا

شعر لکھتے رہا کرو بیٹھے

دل درد میں گھلتا رہے یہ کس کو گوارا ہے
ہم کو تو مگر یارو یہ درد ہی پیارا ہے
امید کا ہر لمحہ اب وصل کا لمحہ ہے
جب دور کنارہ ہو ہر موج کنارہ ہے
اس زلف نے اپنے کو کیا کیا نہیں الجھایا
جس زلف کو خود ہم نے سو بار سنوارا ہے
وہ رات گئی انسا وہ بات گئی انسا
اب کس لیے جیتے ہو اب کس کا سہارا ہے



انشائے پھر عشق کیا

انشا نے پھر عشق کیا انشا صاحب دیوانے
اپنے بھی وہ دوست ہوئے ہم بھی چلیں گے سمجھانے

پیمان محبوب سے

اپنے کو ہم اس شہر میں رسوا نہ کریں گے
اب تک جو ہوا خیر اب ایسا نہ کریں گے
وعدہ ہے کہ اب اور جلائیں گے نہ جی کو
نقصان ہے اس میں تو یہ سودا نہ کریں گے
تا شام نہ ان کوچوں میں گھومیں گے پریشاں
تا صبح شب ماہ میں جاگا نہ کریں گے
ہر موڑ پہ ٹھنکیں گے نہ دیوانوں کی صورت
ہر در پہ تجھے جا کے پکارا نہ کریں گے
لکھیں گے کسی اور ہی عنوان کی نظمیں
غزلوں میں بھی اس بات کا چرچا نہ کریں گے

باتیں اپنے دل کے ساتھ

وعدہ تو کیا ہے مگر ایفا نہ کریں گے
ایفا جو کریں گے کوئی اچھا نہ کریں گے
لوگوں سے چھپا لیں گے جو احوال ہے جی کا

اپنے سے کسی بات میں دھوکا نہ کریں گے
اے دل ترے فرمانوں کو ٹالا ہے نہ ٹالیں
ان کی بھی ترے سامنے پروا نہ کریں گے
اس راہ کو ہم چھوڑ کے جائیں کسی جانب
آزردہ نہ ہو ہم کبھی ایسا نہ کریں گے
لکھیں گے اسی ٹھاٹ سے نظمیں کبھی غزلیں
ہاں آج سے لوگوں کو دکھایا نہ کریں گے

خطاب کسی دوست کا لوگوں سے

ہم نے نہ کہا تھا کہ وہ کیا کیا نہ کریں گے
ہاں صبر کی کہتے ہو تو انشا نہ کریں گے
بڑھ جائے گا آزار محبت ہے یہ لوگو
وہ ایک نظر دیکھ کے اچھا نہ کریں گے؟
ان سے یہ کہو ایسے دوانوں سے نہ الجھیں
سن لیں گے مگر آپ کا کہنا نہ کریں گے
سائل ہیں فقط ایک عنایت کی نظر کے
یہ اور کسی شے کا تقاضا نہ کریں گے
در سے نہ اٹھائیں وہ ضمانت پہ ہماری
رسوا ہیں مگر آپ کو رسوا نہ کریں گے

باب چہارم در مسافرت

وہ جی میں کوئی بات جو لاتے ہیں عزیزو

یہ سب نہ کریں گے چلو اچھا نہ کریں گے
تہائی میں لے جائیں گے سمجھائیں گے دل کو
یہ مان بھی جائے گا یہ دعوے نہ کریں گے
اتنا ہے کہ چھوڑیں گے یہ دیوانوں کی صورت
ہم کل سے سر راہ بھی بیٹھا نہ کریں گے
ہو جائیں گے جا کر کہیں پردیس میں نوکر
یاں سال میں اک بار بھی آیا نہ کریں گے
اس شہر میں آئندہ نہ دیکھیں گے وہ ہم کو
کیا کیا نہ کیا عشق میں کیا کیا نہ کریں گے



فروگزاشت

درد رسوا نہ تھا زمانے میں
 دل کی تنہائیوں میں بتا تھا
 حرف ناگفتہ تھا فسانہ دل
 ایک دن جو انہیں خیال آیا
 پوچھ بیٹھے اداس کیوں ہو تم
 بس یونہی مسکرا کے میں نے کہا
 دیکھتے دیکھتے سر مرگاں
 ایک آنسو مگر ڈھلک آیا
 عشق نورس تھا خادم کار تھا دل
 بات کچھ بھی نہ تھی مگر ہم
 اب محبت کا وہ نہیں عالم
 آپ ہی آپ سوچتا ہوں میں
 دل کو الزام دے رہا ہوں میں
 درد بے وقت ہو گیا رسوا
 ایک آنسو تھا پی لیا ہوتا
 حسن محتاط ہو گیا اس دن
 عشق توقیر کھو گیا اس دن
 ہائے کیوں اتنا بے قرار تھا دل



اداس رات کے آنگن میں

اداس رات کے آنگن میں رات کی رانی
 مہک رہی ہے دل بے قرار بات تو سن
 فلک پہ نکلا ہے پیلا دھلا دھلایا چاند
 کہاں سے چل کے کہاں تک ہے دیکھ آیا چاند
 کوئی خیال کوئی یاد آرزو کوئی
 بڑے بہانے تھے جی کے گداز کرنے کو
 مگر تو چپ ہے سر آغاز شام سے چپ ہے
 شب اگست کے افسانہ خواں دھندلے میں
 چمک رہی ہے پڑی گھولتی ویرانی
 اداس رات کے آنگن میں رات کی رانی
 گھڑی کی سوئیاں پیہم خرام آمادہ
 مگر مسافر شبِ خستہ جان افتادہ
 گزرتے وقت کی وادی میں ایک منزل پر
 ٹھٹک گیا ہے غبارِ نجوم میں کھو کر
 کہ ایک ریل کی سیٹی ثموش مدھم سی
 اجالتی ہے تمنا کی راہ گزار بعید

سواد شہر کی بستی کا یہ شکستہ پل

گنی بہار کی بے برگ و بار بیلوں میں
الھ گیا ہے مگر پوچھے تو بیگانہ

بجھا بجھا سا دیا کوئی جھلملاتا ہے
سواد شہر کی بستی کی خانقاہ کے پاس
کہ رفتگان رہ دور کا مجاور ہے
یہ راہگزار وہی جس سے ساربانوں کا
علی الصباح گزرتا ہے قافلہ کوئی
تمام رات پڑی کروٹیں بدلتی ہے
نہ جانے کس کے غم انتظار میں بے چین

بہت ملول بہت زرد ہو چلا ناگاہ
ابھی تو دیکھا تھا ہم نے دھلا دھلایا چاند
کہاں سے آیا ہے کیسا پیام لایا چاند
اجاڑ بستیوں ویران راستوں میں اداس
بھٹکنے والے کو اب بھی صدائیں آتی ہیں
گزرتے قدموں گلوگیر سرد آہوں کی
مگر مسافر شب کاروان رفتہ میں
کسی کو کس طرح آواز پا سے پہچانے
یہ لوگ اس کے لیے آشنا بیگانہ
گزر بھی جا تو ہماری طرف ٹھٹک کے نہ دیکھ

گھلے ملے سے نقوش خفی کے ابر رواں
کہ وسعتیں ہیں سیہ آسماں کی بے پایاں

تو کون شہر وفا کا کوئی پیامی ہے؟
ترے جو دل میں کوئی داغ ناتمامی ہے
شب اگست شب بے قرار کے مہتاب
شب دواز دھم کے دھلے دھلائے چاند
مرے عزیز کہیں اور جا کے دستک دے
کہ اس جوار کے لوگوں کو جانتا ہے تو
کہ یہ نواح کئی سال سے ہے کم آباد
رہا نہیں ہے محبت کے کام کا کوئی
نہیں یہاں نہیں انشا کے نام کا کوئی



واپسی

بستیاں قریے گھوم چکے اب دشت کو لوٹیں بن کو چلیں
 شام ہوئی آوارہ غزالو! آؤ کہ اپنے وطن کو چلیں
 ”تم اور ہم سے پیار کرو گے؟ جھوٹ ہے لو بھی بنجارو
 پیچو گے بیوپار کرو گے تم سے دور بھلے پیارو
 بیٹھا ہے وہ جو آگ جلائے کھوہ کے منہ پر چرواہا
 وہ بھی ہے تیر کمان سجائے اس سے بھی ہم کو بچنا ہوا

پچھتم میں جہاں پیڑ گھنے ہیں ان سے بھی لوگو دور ہی دور
 ان میں وہ اپنی جان کے بیری چیتے باگھ چھپے ہیں ضرور
 ہر کوئی دیکھ کے جال بچھائے ہر کوئی اٹھ کے وار کرے
 بستیاں قریے گھوم چکے ہم کوئی نہ ہم سے پیار کرے
 لائے تھے ہم اسے کس کو دکھانے لے چلیں دکھتے من کو چلیں
 شام ہوئی آوارہ غزالوں آؤ کہ اپنے وطن کو چلیں



صبا کا ایک جھونکا

گلشن سے صبا کا ایک جھونکا
 بیگانہ صفت گزر گیا ہے

شکلیں نہیں ذہن میں گلوں کی
 باتیں نہیں یاد دوستوں کی
 کرتے رہے لوگ کچھ اشارے
 آتے رہے کالیں سنوارے

ہونٹوں پہ تبسموں کا جادو
 آنکھوں میں عجیب شخص ہے تو
 دل اجنبی اجنبی بیچارا

یہ حیرتوں حسرتوں کا مارا
 بیٹھا رہا سوز سا جگائے
 یعنی کوئی اس طرف نہ آئے

گلشن کا ہر اک نہاں چونکا
 گلشن سے صبا کا ایک جھونکا
 بیگانہ صفت گر گیا ہے

دل کا ہے عجیب حال لوگو
آتا ہے تمہیں خیال لوگو

ایسے بھی ہیں نجد میں دوانے
رہتے ہیں جو عشق میں بھی سیانے
کہنے میں کبھی نہ جی کے آئیں
اپنے سے بھی آپ کو چھپائیں
دل میں تو ہزار آرزو ہے
ہونٹوں پر کچھ اور گفتگو ہے
لوگوں نے کبھی جو حال پوچھا
کیسے ہو کہو سوال پوچھا
کہنا یہی آپ کی دعا ہے
بیگانہ صفت گزر گیا ہے
گلشن سے صبا کا ایک جھونکا

گلشن سے خراب لوٹ آئے
ہم نے تو یہ سال بھی گنوائے

گلشن تھا کہ قریہ نگاراں
اپنے یہ نصیب تھے نہ یاراں
کلیوں سے گلوں سے پیار کرتے

وحشت کوئی اختیار کرتے
 چٹکا کیا دل کا ایک گھاؤ
 کلیوں نے بھی کہہ دیا کہ جاؤ
 مانگو ہی نہیں تو تم کو کیا دیں
 کافی ہیں تمہیں ہماری یادیں
 جی میں تھا غبار حسرتوں کا
 سینہ تھا مزار حسرتوں کا
 گلشن سے صبا کا ایک جھونکا
 بیگانہ صفت گزر گیا ہے



ڈھلتی رات

ڈھلتی ہوئی رات کی خموشی
بستی کی فضا پہ چھا گئی ہے
ڈیوٹی ہے طویل سنتری کی
کتوں کو بھی نیند آ گئی ہے

گر جا کی گھڑی نے جھنجھٹا کر
چپکے سے جو دو بجا دیئے ہیں
لوگوں نے گرا لیے ہیں پردے
لوگوں نے دیے بجھا دیئے ہیں

ہارا ہوا مارکٹ کا مزدور
ٹھیلے پہ دراز ہو گیا ہے
نالے ہی پہ اوگھتا ہے بیٹھا
پڑی ہی پہ پڑ کے سو گیا ہے

سگرت تک کی بند ہی دکانیں
سینما بھی اجڑ چکے ہیں سارے
اکا ہے نہ بس نہ گھوڑا گاڑی

بوجھل ہیں قدم تھکن کے مارے

کونوں میں دبک گئی ہیں آخر

پردوں سے وہ جھانکتی نگاہیں

روزن ہیں تمام خالی خالی

جلوے نہ لگاؤئیں نہ آہیں

تاروں کی اداس اداس پلکیں

کہتی ہیں انہیں بھی کچھ ہوا ہے

کیسے بھلا سوئیں آنکھ جھپکیں

اب چاند جو سر پہ آ گیا ہے

ہم سے تو اسے غرض نہ ہو گی

جانے یہ کسے بلا رہی ہے

گوئجی ہے کہیں پہ کوئی سیٹی

کس شہر کی ریل جا رہی ہے

سگنل کے دیے کی ایک چشمک

کہتی ہے ہزار ہا کتھائیں

ہم کو بھی قرار کی طلب ہے

کس در پہ چلیں کسے جگائیں



پچھلے پہر کے سناٹے میں

پچھلے پہر کے سناٹے میں
کس کی سسکی کس کا نالہ
کمرے کی خاموش فضا میں در آیا ہے

زور ہوا کا ٹوٹ چکا ہے
کھلے دریچے کی جالی سے
ننھی ننھی بوندیں چھن کر
سب کونوں میں پھیل گئی ہیں
اور مرے اشکوں سے
ان کے ہاتھ کا تکیہ بھیگ گیا ہے
کتنی کتنی تاریکی ہے
کھلا دریچہ تھر تھر تھر کانپ رہا ہے
بھیگی مٹی سوندھی خوشبو چھوڑ رہی ہے
اودے بادل

کالے انبر کی جھیلوں میں ڈوب گئے ہیں
کس کے رخساروں کی لرزش دیکھ رہا ہوں
کس کی زلفوں کی شکنوں سے کھیل رہا ہوں

چکے چکے لیے لیے سوچ رہا ہوں
پچھلے پہر کا سنا ہے
کس کی سسکی کس کا نالہ
کمرے کی خاموش فضا میں در آیا ہے

گھنے درختوں میں پروا کی سیٹی گونجی
دود کشوں میں قیدی روحیں چیخ رہی ہیں
کونوں میں دبکے ہوئے جھینگر چلاتے ہیں
محرابوں سے بھوتوں کے سر نکراتے ہیں
قلعے کے ایک برج کے اندر
ایک پری (شیلٹ کی رانی)
خندق کے ان دیکھے پانی کی گہرائی
اندیشے کے بالشتوں سے ماپ رہی ہے

ماضی کی ڈیوڑھی کی چلمن
کھلے دریچے کی جالی سے
چھن چھن
روپ کی جوت حنا کی لالی کل کی یادیں
سوندھی خوشبو ٹھنڈی بوندیں
کل کے باسی آنسو جن سے
فردا کے بالیں کا پروا بھیگ رہا ہے

سحر زدہ محبوس حسینہ
 سپنوں کے شیاٹ کی رانی
 آئینوں میں حسن شکستہ دیکھ رہی ہے
 کتنے چہرے ٹوٹے ٹوٹے
 پہچانے ان پہچانے سے
 آگے پیچھے آگے پیچھے بھاگ رہے ہیں
 قلعے کے آسیب کی صورت
 کس کی سسکی کس کا نالہ
 کمرے کی خاموش فضا میں در آیا ہے

بچھڑے لوگو پیارے لوگو
 چاہیں بھی تو نام تمہارے جان سکیں گے؟
 کیسے مانیں تم کو ہمارے
 جی لینے کی مر لینے کی
 خوشی ہوئی افسوس ہوا ہے
 تم کیا جانو
 کس کے ہاتھ کا تکیہ
 کس کے گرم اشکوں سے بھیگ رہا ہے
 کھلے درتچے کی جالی سے چٹنی آنکھو
 اک لمحے کے کوندے میں تم
 کن کن اجنبی چیزوں کو پہچان سکو گی

جیون کھیل میں ہارے لوگو
 بچھڑے لوگو پیارے لوگو
 برکھا کی لمبی راتوں میں
 کمرے کی خاموش فضا میں
 پچھلے پہر کے سنائے میں
 روتے روتے جاگنے والے

ہم لوگوں کو سو لینے دو
 اور سویرا ہو لینے دو



خزاں کی ایک شام

شام ہوئی پردیسی پنچھی گھر کو بھاگے
 دل اپنا ہم کھول کے رکھیں کس کے آگے
 پت جھڑ تو نے کس کس کو حیران کیا ہے
 باغ سے پھول اور پھول سے بھونرا چھین لیا ہے
 بھیڑیں کیوں کھیتوں کے چکر کاٹ رہی ہیں؟
 مینڈوں سے اڑتی مٹی کو چاٹ رہی ہیں؟
 پکھوا تو نے اپنی سوندھی باس گنوائی
 آج سے میں نے اگلی رت کی آس گنوائی
 پودے تو کیوں سوکھ رہا ہے زرد ہوا ہے
 اس جنگل میں جینے سے جی سرد ہوا ہے
 سپنوں کی پریوں کے آنچل چوم رہے ہیں
 ہم بھی چپ چاپ تنہا تنہا گھوم رہے ہیں
 کیسے اجڑی بستیوں کو آباد کرو گے
 لوگو کل تم ہم لوگوں کو یاد کرو گے
 دل اپنا ہم کھول کے رکھیں کس کے آگے
 شام ہوئی پردیسی پنچھی گھر کو بھاگے



چل سو چل

جس دن کی رہ دیکھی انشا اتنے برسوں آج اور کل
 وہ دن آیا بیت گیا من پھر بھی رہا بوجھل بوجھل
 پھاگن آئے ساون آئے اس دھرتی کا حال وہی
 گدلا انبر اجڑی کھیتی پھلوا ری میں پھول نہ پھل
 کس کو بتائیں من میں ہمارے مات کے گھاؤ کیسے ہیں
 آج کہ اک دنیا کی نظر میں ایک ہمیں ہم ہیں پاگل
 ٹوٹا سا ہس دھندلی پیٹا ریت کے تودے گام بہ گام
 وقت کا کوڑا سڑ سڑ سڑ چنچ رہا ہے چل سو چل
 آج تو اپنی ایک ڈگر ہے اپنے سبھی یاروں سے جدا
 اپنا جہاں اپنا ہی جہاں ہے یا جادو کا گنگ محل
 اس رت میں تو اور بھی اجڑی لگتی ہے من کی بگیا
 کھلائے سبھی گل بوٹے آشا کی لتا نینوں کے کمل
 باغ نے کتنی کلیاں کھوئیں بستی تک پہنچی خوشبو
 آنکھ سے کتنے نیر بہے ہیں دامن تک پہنچا کا جل
 عقل نے سودا اور کیا ہے گھانا کھا اور مول گنوا
 بنجارے اس راہ کو چھوڑ اے بنجارے اس پینڈھ سے چل
 یعنی اس بازار میں دل کو اک انٹی میں بیچ دیا
 اس یوسف کے دل کی کامنا ہونی تھی اس طور سمھل

شہر جنوں سے دشت جنوں تک کتنی مسافت تھی انشا
 ایک ہمیں لوٹ آئے ہیں ورنہ یار گئے سب دور نکل



سرائے

نگر پرایا چیت مہینا سونی رات سرائے
دیواروں پر میلے میلے پھیلے پھیلے سائے
آنے والی کل کا چھلاوا لپک جھپک دکھلائے
کیا کیا سوانگ رچائے

گھڑی کی سوئی، صدیاں بیت چکیں تو ایک بجائے
آس کی نیل نہایت زبل چھایا سے شرمائے
اندھا دیپک متوالی پروا کے تھپڑے کھائے
کانپ کانپ رہ جائے

نیلیم نیل آکاش پہ اپنا پیلا جال بچھائے
مگھم مگھم سندیوں سے اپنے پاس بلائے
چنچل چندا دور دور سے دیکھے اور مسکائے
لیکن ہاتھ نہ آئے

دل پر سوچ پرانی بیرن رہ رہ چوٹ لگائے
ناحق تم نے منزل منزل پتہ پتہ دیپ جلائے
چار کوٹ وہی گھور اندھیارا چار کوٹ انیانے
دن دن بڑھتا جائے

گھوں گھوں گھوں گھوں چرخی گھومے پہیہ شور مچائے
شپ شپ شپ پٹوں میں لپٹی قسمت چکر کھائے

کہیں تو چکی موٹا پیسے میدا کہیں بنائے
اور کہیں تھم جائے

ٹٹ ٹٹ ٹٹ ٹٹ ٹٹ ٹٹ کی جوڑی گھومے سیں جھکائے
ہل کی نوک لکیریں کھینچے لیکھ کے بھید بتائے
ہلوہا جہاں صبح سے تھا شام کو جب ستائے
وہیں ستارے پائے

پھر زہری بمبار فضا پر جھپٹے اور غرائے
پورب دیس دھوئیں کا بادل آگ پڑا برسائے
پچھتم کے گدھوں کے لشکر آئے پرے جمائے
لاشوں پر منڈلائے

کبھی عقاب کبھی سوستیکا اک آئے اک جائے
جنگ کا لو کا گھر کھیتی کھلیان پڑا جھلسائے
کہیں تو بے رت ہولی کھیلنے کہیں بسنت منائے
روپ انوپ دکھائے

کال کے کالے کالے راجھس چار کوٹ میں چھائے
انٹریوں میں بھوک کی کرچیں جہاں تہاں ہرجائے
گوداموں پر خونی پہرے کھوے سے کھوا ملائے
سگینیں چمکائے

شہر کا قاضی فتوے چھاپے گلی گلی پھیلانے
موڑ موڑ پر دکھیا گوری یاد کے دیپ جلائے
سوچ رہی ہے اتنے دن میں کتنے پاپ کمائے

کس کو گنتی آئے

ہم جاگیر قلم کی لے کر کیا کھوئے کیا پائے
شہد منوہر بول کٹیلے رمزیں اور کنائے
سب غزلوں کے کہنے والے کو یوں نے اپنائے

اپنے ہاتھ نہ آئے

پیت کی میٹھی باتیں چھوڑیں، چھوڑیں اور پچھتائے
دھرتی کے بیٹوں کی پتاؤں کے آٹھے گائے
چوروں کی مانند بندھی مشکوں میں پکڑے آئے

دیوانے کہلائے

یاروں کا ایک اک غول چھنا چھن جیبوں کو چھنکائے
ان لوگوں نے چاکریوں میں سستے ٹکے کمائے
انشا جیسے ایک بار بھٹکے تو ہوئے پرانے

کوئی نہ دھوکا کھائے

نگر پرایا چیت مہینا سونی رات سرائے
دیواروں پر میلے میلے پھیلے پھیلے سائے
آنے والی کل کا چھلاوا لپک جھپک دکھلائے

یار کو کوئی اپائے

یار کو کوئی اپائے



دل سی چیز کے گاہک ہوں گے

دل سی چیز کے گاہک ہوں گے دو یا ایک ہزار کے بیچ
انشا جی کیا مال لیے بیٹھے ہو تم بازار کے بیچ

پینا پلانا عین گنہ ہے جی کا لگانا عین ہوس
آپ کی باتیں سب سچی ہیں لیکن بھری بہار کے بیچ

اے سخیو اے خوش نظرو یک گونہ کرم خیرات کرو
نعرہ زناں کچھ لوگ پھریں ہیں صبح سے شہر نگار کے بیچ

خار و خس و خاشاک تو جانیں ایک تجھی کو خبر نہ ملے
اے گل خوبی ہم تو عبث بدنام ہوئے گلزار کے بیچ

منت قاصد کون اٹھائے شکوہ درباں کون کرے
نامہ شوق غزل کی صورت چھپنے کو دو اخبار کے بیچ



لوگ ہلال شام سے بڑھ کر

لوگ ہلال شام سے بڑھ کر پل میں ماہ تمام ہوئے
ہم ہر برج میں گھٹتے گھٹتے صبح تک گمنام ہوئے

ان لوگوں کی بات کرو جو عشق میں خوش انجام ہوئے
مجد میں قیس یہاں پر انشا خوار ہوئے ناکام ہوئے

کس کا چمکتا چہرا لائیں کس سورج سے مانگیں دھوپ
گھور اندھیرا چھا جاتا ہے خلوت دل میں شام ہوئے

ایک سے ایک جنوں کا مارا اس بستی میں رہتا ہے
ایک ہمیں ہوشیار تھے یارو ایک ہمیں بدنام ہوئے

شوق کی آگ نفس کی گرمی گھٹتے گھٹتے سرد نہ ہو
چاہ کی راہ دکھا کر تم تو وقف دریچہ و بام ہوئے

ان سے بہار و باغ کی باتیں کر کے جی کو دکھانا کیا
جن کو ایک زمانہ گزرا کنج قفس میں رام ہوئے

انشا صاحب پو پھٹتی ہے تارے ڈوبے صبح ہوئی
 بات تمہاری مان کے ہم تو شب بھر بے آرام ہوئے



ہم رات بہت روئے

ہم رات بہت روئے بہت آہ و فغاں کی
دل درد سے بوجھل ہو تو پھر نیند کہاں کی

سر زانو پہ رکھے ہوئے کیا سوچ رہی ہو
کچھ بات سمجھتی ہو محبت زدگاں کی

تم میری طرف دیکھ کے چپ ہو سی گئی تھیں
وہ ساعت خوش وقت نشاط گزراں کی

اک دن یہ سمجھتے تھے کہ پایاں تمنا
اک رات ہے مہتاب کے ایام جواں کی

اب اور ہی اوقات ہے اے جان تمنا
ہم نالہ کشاں بے گنہاں غم زدگاں کی

اس گھر کی کھلی چھت پہ چمکتے ہوئے تارو
کہتے ہو کبھی بات وہاں جا کے یہاں کی

برگشتہ ہوا ہم سے یہ مہتاب تو پیارو
بس بات سنی راہ چلا کابکشاں کی

اللہ کرے میر کا جنت میں مکاں ہو
مرحوم نے ہر بات ہماری ہی بیاں کی

پڑھتے ہیں شب و روز اسی شخص کی غزلیں
غزلیں کہ حکایت ہیں ہم دل زدگاں کی

تم چرخ چہارم کے ستارے ہوئے لوگو
تاراج کرو زندگیاں اہل جہاں کی

اچھا ہمیں بنتے ہوئے مٹے ہوئے دیکھو
ہم موج گریزاں ہی سہی آب رواں کی

انشا سے ملو اس سے نہ روکیں گے ولیکن
اس سے یہ ملاقات نکالی ہے کہاں کی

مشہور ہے ہر بزم میں اس شخص کا سودا
باتیں ہیں بہت شہر میں بدنام میاں کی

اے دوستو اے دوستو اے درد نصیبو
گلیوں میں چلو سیر کریں شہر بتاں کی

ہم جائیں کسی سمت کسی چوک پہ ٹھہریں
کہو نہ کوئی بات کسی سود و زیاں کی

انشا کی غزل سن لو پہ رنجور نہ ہونا
دیوانہ ہے دیوانے نے اک بات بیاں کی

ہوتا ہے یہی عشق میں ہنجار سبھی کا
باتیں یہی دیکھی ہیں محبت زدگاں کی



اور تو کوئی بس نہ چلے گا

اور تو کوئی بس نہ چلے گا ہجر کے درد کے ماروں کا
صبح کا ہونا دو بھر کر دیں رستہ روک ستاروں کا

جھوٹے سکوں میں بھی اٹھا دیتے ہیں یہ اکثر سچا مال
شکلیں دیکھ کے سودے کرنا کام ہے ان بنجاروں کا

اپنی زباں سے کچھ نہ کہیں گے چپ ہی رہیں گے عاشق لوگ
تم سے اتنا ہو سکتا ہے پوچھو حال بچاروں کا

جس چپسی کا ذکر ہے تم سے دل کو اسی کی کھوج رہی
یوں تو ہمارے شہر میں اکثر میلہ لگا نگاروں کا

ایک ذرا سی بات تھی جس کا چرچا پہنچا گلی گلی
ہم گمناموں نے پھر بھی احسان نہ مانا یاروں کا

درد کا کہنا چیخ ہی اٹھو دل کا کہنا وضع نبھاؤ
سب کچھ سہنا چپ چپ رہنا کام ہے عزت داروں کا

انشا جی اب اجنبیوں میں چین سے باقی عمر کٹے
جن کی خاطر بستی چھوڑی نام نہ لو ان پیاروں کا



پیت کے روگی سب کچھ بوجھے

پیت کے روگی سب کچھ بوجھے سب کچھ جانے ہوتے ہیں
ان لوگوں کے اینٹ نہ مارو کہاں دوانے ہوتے ہیں

آہیں ان کی اڈتے بادل آنسو ان کے ابر میٹر
دشت میں ان کو باغ لگانے شہر بسانے ہوتے ہیں

ہم نہ کہیں گے آپ ہیں پیت کے دشمن من کے کشور مگر
آٹنے کے ناٹنے کے لاکھ بہانے ہوتے ہیں

اپنے سے پہلے دشت میں رہتے کوہ سے نہریں لاتے تھے
ہم نے بھی عشق کیا ہے لوگو سب افسانے ہوتے ہیں

انشا جی چھپیں برس کے ہو کے یہ باتیں کرتے ہو
انشا جی اس عمر کے لوگ تو بڑے سیانے ہوتے ہیں



خوب ہمارا ساتھ نبھایا

خوب ہمارا ساتھ نبھایا، بیچ بھنور کے چھوڑا بات
ہم کو ڈبو کر خود ساحل پر جا نکلے ہو اچھی بات

شام سے لے کر پو پھٹنے تک کتنی رتیں بدلتی ہیں
آس کی کلیاں یاس کی پت جھڑ صبح کے اشکوں کی برسات

اپنا کام تو سمجھانا ہے اے دل رشتے جوڑ کہ توڑ
ہجر کی راتیں لاکھوں کروڑوں وصل کے لمحے پانچ کہ سات

ہم سے ہمارا عشق نہ چھینو حسن کی ہم کو بھیک نہ دو
تم لوگوں کے دور ٹھکانے ہم لوگوں کی کیا اوقات

روگ تمہارا اور ہے انشا بیدوں سے کیوں چہل کرو
درد کے سودے کرنے والے درد سے پا سکتے ہیں نجات؟



ان کا دعویٰ ان کی عدالت

ان کا دعویٰ ان کی عدالت اور انہی کی تعزیرات
ان کا دوست زمانہ سارا اپنا دوست خدا کی ذات

اے یارو اس فصل میں اپنا جوش جنوں رسوا نہ کرو
گلشن گلشن خاک اڑتی ہے پھول نہ غنچے ڈال نہ پات

مہر و مروت میں وہ ہمارے پتھر کے بت اچھے تھے
آئے تھے اب لوٹ چلے ہیں حضرت یزداں تسلیمات

آپ ہی آپ پئے جاتے ہیں اپنے پیادے اپنے فیل
ہم کیوں کھیلیں اس بازی میں ہاتھ ہمارے جیت نہ مات

ہم نے یہ مانا اک انٹی میں یوسف کنگاں ملتا ہے
وقت کے بوسیدہ چرنے پر امیدوں کا سوت نہ کات

انشا صاحب صبح ہوئی ہے اٹھو جی اب کوچ کرو
اس منزل پر قافلے والے رکتے ہیں بس رات کی رات



ساون بھادوں ساٹھ ہی دن ہیں

ساون بھادوں ساٹھ ہی دن ہیں پھر وہ رت کی بات کہاں
اپنے اشک مسلسل برسیں اپنی سی برسات کہاں

چاند نے کیا کیا منزل کر لی نکلا چکا ڈوب گیا
ہم جو آنکھ جھپک لیں سو لیں اے دل ہم کو رات کہاں

پیت کا کاروبار بہت ہے اب تو اور بھی پھیل چلا
اور جو کام جہاں کے دیکھیں فرصت دیں حالات کہاں

قیس کا نام سنا ہی ہو گا ہم سے بھی ملاقات کرو
عشق و جنوں کی منزل شکل سب کی یہ اوقات کہاں



ہم ان سے اگر مل بیٹھتے ہیں

ہم ان سے اگر مل بیٹھتے ہیں کیا دوش ہمارا ہوتا ہے
کچھ اپنی جسارت ہوتی ہے کچھ ان کا اشارہ ہوتا ہے

کٹنے لگیں راتیں آنکھوں میں؛ دیکھا نہیں پلکوں پر اثر
یا شام غریباں کا جگنو یا صبح کا تارا ہوتا ہے

ہم دل کو لیے ہر دیس پھرے اس جنس کے گاہک مل نہ سکے
اے بنجارو ہم لوگ چلے ہم کو تو خسارا ہوتا ہے

دفتر سے اٹھے کیفے میں گئے کچھ شعر کہے کچھ کافی پی
پوچھو جو معاش کا انشاء جی یوں اپنا گزارا ہوتا ہے



زمیں پہ سبزہ لہک رہا ہے

زمیں پہ سبزہ لہک رہا ہے فلک پہ بادل دھواں دھواں ہے
مگر جو دل کے مزاج پوچھو ہمارے دل کا عجب سماں ہے

درون سینہ غم جدائی کا داغ ہے اور کہاں کہاں ہے
اگر یہی بخت عاشقاں ہے فغاں ہے اے دوستو فغاں ہے

خراب دل کی خراب باتیں اداس دن بے قرار راتیں
جو درد ہے درد جانستاں ہے جو سوز ہے سوز رائیگاں ہے

میں تیری مانند وسعت دہر میں اکیلا سا پھر رہا ہوں
فضائے صحرا کے ابر پارے کہیں پہ منزل کا بھی نشان ہے

نہ قافلہ چاند کا ہویدا نہ منزل نور صبح پیدا
وہی گزرگاہ کھکشاں ہے وہی غبار ستارگاں ہے

نہ ایسے آنے کی آرزو تھی نہ ایسے جانا ہماری خوش تھی
ہمارے دل کی بھی آبرو تھی مگر وہ پہلا سا دل کہاں ہے

تم اس پہ حیراں ہو خوش خیالو پرانے وقت کے عجب والو
وگر نہ ہم کو بھی کچھ گماں ہے وگر نہ اپنی بھی داستاں ہے

نہ ان کے چہرے کی دھوپ دیکھی نہ ان کے آنچل کی چھاؤں پائی
رتوں سے محروم جا رہے ہیں عجب نصیب بلا کشاں ہے

تم اپنے انشا کی راہ و منزل کو جانتے ہو پھر اس سے مطلب
وہ تنہا تنہا رواں دواں ہے کہ ہمرہ اہل کارواں ہے



سانحہ ہم پہ یہ پہلا ہے

سانحہ ہم پہ یہ پہلا ہے مری جاں کوئی
ایسے دامن سے ملاتا ہے گریباں کوئی

قیس صاحب کا تو اس غم میں عجب حال ہوا
اپنے رستے میں نہ پڑتا ہو بیاباں کوئی

ہم نے اپنے کو بہت دیر سنبھالا ہوتا
آ ہی نکلے اگر آنسو سر مرگاں کوئی

یارو اس درد محبت کی دوا بتلاؤ
ڈھونڈ لیں گے غم دوراں کا تو درماں کوئی

یک نظر دیکھنا رم کرنا ہوا ہو جانا
ان سے چھوٹی ہے بھلا خوائے غزالاں کوئی

ہم کسی سمت بھی نکلے ہوں وہیں جا نکلیں
ہم سے بھولی ہے رہ کوچہ جاناں کوئی

اب تری یاد میں روئیں گے نہ حیراں ہوں گے
ان سے پیماں ہے کوئی دل سے ہے پیماں کوئی

سوئی راتوں میں سر بستر خواب راحت
بیٹھا رہتا ہے کسی بات پہ گریاں کوئی

بھیگی شاموں میں کھلے صحن میں تنہا تنہا
بیقرارانہ ہی دیکھا ہے خراماں کوئی

دوستو دوستو اس شخص کو جا کر سمجھاؤ
اپنے انشا کے سنبھلنے کا بھی ساماں کوئی

یہ بھی ہم لوگوں کی وحشت پہ ہنسا کرتا تھا
آیا اس خانہ ویراں میں بھی مہماں کوئی



یوں تو وحشت جزو طبیعت

یوں تو وحشت جزو طبیعت، ربط انہی کم لوگوں سے
اب تو برس دن بعد بھی انشا ملتے نہیں ہم لوگوں سے

کیوں تجھے ضد ہے وضع نبھائیں، چاند نہ دیکھیں عید کریں
چھپ نہ سکے گا اے دل بریاں دیدہ پر ہم لوگوں سے

کیا ہوا خشت اٹھا دے ماری یا سر دامن نوچ لیا
تم تو دیوانے اس کے بہانے ہو چلے برہم لوگوں سے

عشق کریں تو جنوں کی تہمت دور رہیں تو تو ناراض
اب یہ بتا ہم تجھ سے نبھائیں یا دل محرم لوگوں سے



ہم جنگل کے جوگی ہم کو

ہم جنگل کے جوگی ہم کو ایک جگہ آرام کہاں
آج یہاں کل اور نگر میں صبح کہاں اور شام کہاں

ہم سے بھی پیت کی بات کرو کچھ ہم سے بھی لوگو پیار کرو
تم تو پشیمان ہو بھی سکو گے ہم کو یہاں پہ دوام کہاں

سانجھ سے کچھ تارے نکلے پل بھر چکے ڈوب گئے
انبر انبر ڈھونڈ رہا ہے اب انہیں ماہ تمام کہاں

دل پہ جو بیتے سہہ لیتے ہیں اپنی زباں میں کہہ لیتے ہیں
انشا جی ہم لوگ کہاں اور میر کا رنگ کلام کہاں



ہمیں تم پہ گمان وحشت تھا

ہمیں تم پہ گمان وحشت تھا ہم لوگوں کو رسوا کیا تم نے
ابھی فصل گلوں کی نہیں گزری، کیوں دامن چاک سیا تم نے

اس شہر کے لوگ بڑے ہی سخی، بڑا مان کریں درویشوں کا
پر تم سے تو اتنے برہم ہیں کیا آن کے مانگ لیا تم نے

کن راہوں سے ہو کر آئی ہو کس گل کا سندیسہ لائی ہو
ہم باغ میں خوش خوش بیٹھے تھے کیا کر دیا آ کے صبا تم نے

غم عشق میں کاری دوا نہ دعا، یہ ہے روگ کٹھن یہ ہے درد برا
ہم کرتے جو اپنے سے ہو سکتا، کبھی ہم سے بھی کچھ نہ کہا تم نے

وہ جو قیس غریب تھے ان کا جنوں سبھی کہتے ہیں ہم سے رہا ہے فزوں
ہمیں دیکھ کے ہنس تو دیا تم نے کبھی دیکھے ہیں اہل وفا تم نے

اب رہو ماندہ سے کچھ نہ کہو، یونہی شاد رہو آباد رہو
بڑی دیر سے یاد کیا تم نے بڑی دور سے دی ہے صدا تم نے

اک بات کہیں گے انشا جی تمہیں ریختہ کہتے عمر ہوئی
تم ایک جہان کا علم پڑھے کوئی میر سا شعر کہا تم نے



جنگل جنگل شوق سے گھومو

جنگل جنگل شوق سے گھومو دشت کی سیر مدام کرو
انشا جی ہم پاس بھی لیکن رات کی رات قیام کرو

اشکوں سے اپنے دل کی حکایت دامن پر ارقام کرو
عشق میں جب یہی کام ہے یار ولے کے خدا کا نام کرو

کب سے کھڑے ہیں بر میں خراج عشق لیے سر راہگذار
ایک نظر سے سادہ رخو ہم سادہ دلوں کو غلام کرو

دل کی متاع تو لوٹ رہے ہو جن کی دی ہے زکات کبھی
روز حساب قریب ہے لوگو کچھ تو ثواب کا کام کرو

میر سے بیعت کی ہے تو انشا میر کی جمعیت بھی ہے ضرور
شام کو رو صبح کرو اب صبح کو رو شام کرو



دل کس کے تصور میں جانے

دل کس کے تصور میں جانے راتوں کو پریشاں ہوتا ہے
یہ حسن طلب کی بات نہیں ہوتا ہے مری جاں ہوتا ہے

ہم تیری سکھائی منطق سے اپنے کو تو سمجھا لیتے ہیں
اک خار کھٹکتا رہتا ہے سینے میں جو پنہاں ہوتا ہے

پھر ان کی گلی میں پہنچے گا پھر سہو کا سجدہ کر لے گا
اس دل پہ بھروسا کون کرے ہر روز مسلمان ہوتا ہے

وہ درد کہ اس نے چھین لیا وہ درد کہ اس کی بخشش تھا
تہائی کی راتوں میں انشا اب بھی مرا مہماں ہوتا ہے



دل کا تھا چاک مگر پہنچایا

دل کا تھا چاک مگر پہنچایا تا بہ گریباں انشا نے
دشت میں جا اک شہر بسایا بے سرو ساماں انشا نے

قیس کی سنت نجد وفا میں پھر اس شخص نے زندہ کی
ہم کو بھی پہلے یقیں نہیں آیا انشا نے ہاں انشا نے

پھر کوئی یاد پرانی جاگی پھر کسی درد نے چنگی لی
پھر ہمیں دیوانے نے بلایا چلتے ہیں یاراں انشا نے

ایک سے ایک انوکھا ٹیکھا دنیا میں غم تو ہزاروں تھے
کیوں تجھے تنہا جی میں بسایا اے غم جاناں انشا نے

اہلا

سہلا

جلو میں آتا ہے جو کچھ آنے دے
عشق کو ہے اب ڈھال بنایا گردش دوراں انشا نے

دل کے سنبھلنے کی کوئی صورت لازم ہے یہاں کچھ بھی نہیں
اپنے کو جب سے یہ روگ لگایا کر لیا حیراں انشا نے

اب اسے دنیا وحشی و رسوا خوار و پریشاں کچھ بھی کہے
عشق کیا اور کر کے نبھایا عشق کے شایاں انشا نے



پیت کرنا تو ہم سے نبھانا سجن

پیت کرنا تو ہم سے نبھانا سجن ہم نے پہلے ہی دن تھا کہا نا سجن
تم ہی مجبور ہو، ہم ہی مختار ہیں، خیر مانا سجن یہ بھی مانا سجن

اب جو ہونے کے قصے سبھی ہو چکے تم ہمیں کھو چکے ہم تمہیں کھو چکے
آگے دل کی نہ باتوں میں آنا سجن کہ یہ دل ہے سدا کا دوانا سجن

یہ بھی سچ ہے نہ کچھ بات جی کی بنی، سوئی راتوں میں دیکھا کئے چاندنی
پر یہ سودا ہے ہم کو پرانا سجن اور جینے کا اپنے بہانا سجن

شہر کے لوگ اچھے ہیں ہمدرد ہیں پر ہماری سنو ہم جہاں گرد ہیں
داغ دل نہ کسی کو دکھانا سجن یہ زمانا نہیں وہ زمانا سجن

اس کو مدت ہوئی صبر کرتے ہوئے آج کوئے وفا سے گزرتے ہوئے
پوچھ کر اس گدا کا ٹھکانا سجن اپنے انشا کو بھی دیکھ آنا سجن



کبھی ان کے ملن کی آشانے

کبھی ان کے ملن کی آشانے اک جوت جگا دی تھی من میں
اب من کا اجالا سنو لایا پھر شام ہے من کے آنگن میں

جی گھٹا ہے آنسو ڈھلتے ہیں ہر نیر میں دیپ سے جلتے ہیں
اس برکھا سے جی کی آگ بجھے یہ تو اور بھی بھڑکے ساون میں

چلو انشا کے پاس چلیں بیٹھیں سنیں گیت منوہر پریم بھرے
جنہیں سن لیں تو من کو موس مریں سبھی گوپیاں گوکل کے بن میں

یہ چھیل چھبلا کون پھرے اس متھرا کی نگری میں سکھیو
سبھی باتیں کہ اپنے شام میں تھیں اب دیکھ لو اس من موہن میں

سبھی بول مدھر سبھی نین سبیل کن گلیوں میں تم ہمیں لے آئے
اس من کو نہ لوگو بھٹکاؤ یہ من ہے کسی کے بندھن میں

ہر شکل کا روپ نہیں ہوتا ہر روپ کو نام نہیں دیتے
کچھ شکلیں ہیں اپنی آنکھوں میں کچھ روپ ہیں من کے درپن میں

کبھی من کے اجتا میں آؤ وہ صورتیں تم کو دکھائیں
وہ صورتیں تم کو دکھائیں ہم کھو گئے جن کے درشن میں

ہر ایک پہ نظریں اٹھنی تھیں ہر ایک پہ جی کو مچلنا تھا
اس شہر میں روپ کا کال نہیں کچھ اور ہے اپنے ساجن میں

یا بن میں چکارے ملتے ہیں یا پیت کے مارے ملتے ہیں
کچھ پورب میں کچھ پچتم میں کچھ اتر میں کچھ دکھن میں

شہروں میں پھرے سنیاں لیے جتا کو جگت بھگوان کہے
انشا سا کوئی رمتا دیکھا کہنے کو ہیں جوگی ہر بن میں

کس واسطے ٹھیٹ بنے ریپے ذرا رنگ بدل کے غزل کہئے
یہ جو اردو زبان ہماری ہے سو رنگ ہیں اس کے دامن میں



اس حسن کے نام پہ یاد آئے

اس حسن کے نام پہ یاد آئے سب منظر فیض کی نظموں کے
وہی رنگ حنا، وہی بند قبا، وہی پھول کھلے پیراہن میں

کچھ وہ جنہیں ہم سے نسبت تھی ان کوچوں میں آن آباد ہوئے
کچھ عرش پہ تارے کہلائے کچھ پھول بنے جا گلشن میں

ہم لوگوں کے آنے سے پہلے بھی تم لوگ ادھر سے گزرتے تھے
کبھی پھول بھی دیکھے غروں میں کبھی قوس قزح کسی چلن میں

یوں کرنے کو عشق پہ قید نہیں سب کرتے ہیں اچھا کرتے ہیں
پر ہم سے بہت بھی نہیں گزرے کچھ لوگ تھے مصر و مدائن میں

ہم ان سے جو مل کر دور ہوئے کچھ خوش ہوئے کچھ رنجور ہوئے
اب دل کا ٹھکانا مشکل ہے ہاں جان رہے گی ایمن میں

تم لوگوں نے چاند بجھا ڈالا شب ماہ کا لطف گنوا ڈالا
اب لاکھ چراغ جلاتے پھرو ہر راستے پہ ہر روزن میں

کبھی میر فقیر کی بیٹوں سے کبھی غزل سے انشا صاحب کی
 ان برہ کی بے کل راتوں میں ہم جوت جگاتے ہیں من میں



بغداد کی ایک رات

سند باد آج تو ہمراہ مجھے بھی لے چل
دل جو بہلا تو خیالوں ہی میں اپنا بہلا
میں ترے ساتھ زمانے کی نظروں سے اوجھل
لے کے چلتا ہوں خیالوں کا سفینہ اپنا
جا ہی نکلیں گے کسی شہر میں ہم آج نہ کل

شور و غل شہر کا مدھم ہوا پھر ڈوب گیا
آج بستی سے بہت دور نکل آیا ہوں
قلمت شام نے دھندلا دیے دشت و دریا
سوچتا ہوں کہ سرایے کو ابھی لوٹ چلوں

یا اسی ساحت ویراں کے کسی گوشے میں
سرد بالو کو بنائے ہوئے بستر اپنا
آج کی رات گزاروں کہیں بیٹھے بیٹھے
شہر و صحرا میں مسافر کے لیے فرق ہی کیا؟

خواب آلود ہے دجلہ کے سوا حل کا جہاں
پھیلے جاتے ہیں پر اسرار دھندلکے ہر سو
نختیاں وسعت صحرا میں ہوئیں بال فشاں
سوندھی سوندھی سی یہ آتی ہے کہاں سے خوشبو

سطح دجلہ پہ گفہ کوئی محیلہ کوئی
شام کی دھند میں لپٹا ہوا ہولے ہولے
شہر کی سمت بڑھا جاتا ہے لیکن چپ چاپ
جیسے خاموشی صحرا سے الجھنے سے ڈرے

پرلے ساحل پہ مچھروں کی کسی بستی میں
جاگتے جاتے ہیں مٹی کے تھک تاب دیے
کوئی دام جاگ کے تھک جائیں گے سو جائیں گے
کون اس رات کو پایاں سحر تک پہنچائے

زرد رو چاند تھکے ہارے مسافر کی طرح
منزل دور کی راہوں کے تصور سے اداس
مطلع شرق سے ابھرا ہے پریشاں حیراں
دشت ویراں میں کھجوروں کے کسی جھنڈ کے پاس

اور کسی مرقد بشکستہ کے گنبد میں کہیں
دوش و امروز کی گردش کا ستایا ہوا بوم
آل برک بنی عباس کے نوے گاتا
یک بیک کس لیے چپ ہو گیا کس کو معلوم
اک عجب کیفیت خواب مسلط ہے یہاں
شور ماتم ہے کسی سمت نہ شادی کا خروش
اپنی دنیائے کشاکش کو میسر ہیں کہاں

خنکی شام میں بھیگے ہوئے لمحات خموش

دن مشقت میں کٹیں راتیں ستارے گنتے
صبحیں آئیں غم تازہ کے سدیے لے کر
روح بے مہری اوقات کا محور ہی رہے
جانے کب تک ہے یہی سلسلہ شام و سحر

شاہزادوں ہی کی جاگیریں ہیں سارے انعام
اپنی قسمت ہے فقط خار کشی محرومی
کچھ اسی دور میں دیکھا ہے یہ رنگ ایام
زندگی پہلے زمانوں میں تو دشوار نہ تھی

ہائے کیا دن تھے میسر تھا ہر انسان کو فراغ
لوگ با شوکت شاہانہ جیا کرتے تھے
سب کی جیبوں میں ہوا کرتے تھے جادو کے چراغ
جن سبھی کام سرانجام دیا کرتے تھے

حکم ملتے ہی بنا دیتے تھے بگڑی ہوئی بات
عیش جاوید میں آنے نہیں پاتا تھا خلل
لا کے پہلو میں بچھا دیتے تھے محبوب کی بیج
رات کی رات میں چن دیتے تھے مرمر کے محل

خضر و الیاس خلاؤں سے ٹپک پڑتے تھے
آیا کرتا تھا کڑا وقت کسی پر جو کبھی

جی میں آئی تو ہوئے دیدہ حیراں سے الوپ
سیر کی شہر شہ رخ پہ زمانے بھر کی

پیٹ بھوکا تھا کوئی اور نہ برہنہ کوئی جسم
کس کو مزدوری و محنت کی پریشانی تھی
قاضی ایں ہمہ حاجات تھا سم سم کا طلسم
باد آور خزانوں کی فراوانی تھی

ہم نے دیکھا ہے مچھیروں نے جو ڈالا کبھی جال
دجلہ سے عہد سلیمان کے خزینے نکلے
اپنی تقدیر پہ کورا نہ بھروسے کے طفیل
کتنے حبال سر بام امارت پہنچے

دیکھتے دیکھتے افلاس کلز ہاروں کا
شوکت و شان وزارت میں بدل جاتا ہے
اسم اعظم کی کرامت تھی جہانگیر ایسی
سایہ ادبار کا اک آن میں ٹل جاتا ہے

شہر میں آئے گجر دم جو مسافر کوئی
لوگ اسے شہر کا سلطان بنا لیتے تھے
تاج رکھتے تھے سر فرق بصد عجز و نیاز
اپنا آقا بہ دل و جان بنا لیتے تھے

بادشہ زادیاں قدموں میں بچھی رہتی تھیں

دور از دست نہ تھے قاف کی حوروں کے پرے
اپنے محلوں میں چھپا لیتی تھیں لا کر پریاں
ابن آدم جو اکیلے میں کہیں مل جائے

اپنا یہ عالم بے رنگ بھی عالم ہے کوئی
آؤ کچھ دیر انہی خوابوں کے جزیروں میں چلیں
ڈھونڈیں بغداد کہن سال کی گلیوں میں سکوں
ارض افسانہ پہ جادو کے کھٹولے میں اڑیں

کتنی شب بیت گئی دجلہ کی ساکن موجو
آدھی بجتی ہیکہ ہے پچھلے پہر کا ہنگام
کشت انجم سے گزرتا ہوا مغرب کی طرف
منزلیں طے کئے جاتا ہے مہ ست خرام

چادر خواب میں لپٹا ہے جہان موجود
الف لیلہ کے فسانوں کا جہاں ہے آباد
شہر رومان کے ہنگاموں کا عالم ہے وہی
پھر وہی شور خلائق ہے بسوق و بازار

پھر انہی رندوں کے جرمت ہیں خرابات کے گرد
کہنہ حجرہوں میں کھنکتے ہیں وہی جام و سبو
قصر شاہی کے جھروکوں میں پریشاں ہیں ادھر
ماہ رخسار کنیزوں کے گھنیرے گیسو

شورِ نغمہ ہے زبیدہ کے شبستاں میں بند
عود و عنبر کا تعطر ہے فضا میں ساری
سونے ایوانوں میں پائل کے چھناکے گونجے
چھم چھما چھم چھما چھم رقص ہوا ہے جاری

لو کوئی غیرت ناہید قیامت بردوش
اپنا سرمایہ اعجاز سیٹے آئی
ساز بیدار ہوئے جھانجھ نے پہلو بدلے
اور مغنی نے غزل دھیمے سروں میں چھیڑی

اے دل اندیشہ آلام نہ کر آج کی رات
ان کی چتون کے اشارے ہیں ادھر آج کی رات
دیکھنا ہے شبِ عشرت کی نہایت کیا ہے
بزمِ انشتی ہے کہ ہوتی ہے سحر آج کی رات
ایسے عالم میں قیامت کا نہ چھیڑو ذکر
قدر ایمان سمجھتے ہیں مگر آج کی رات
زاہدو جام پیو غلد کی حسرت چھوڑ دو
ساقیو ان پہ بھی احساں کی نظر آج کی رات
دل کو برماؤ ستاروں پہ کمندیں ڈالو
رقص فرماؤ بانداز دگر آج کی رات

رک گئی گیت کی لئے تھم گئی پائل کی چھنک
رقص پیانہ و مینا کی ہوئی تیاری

اک طرف غرق مے ناب ہوئے ظل اللہ
مایہ ہوش ادھر ہار گئے درباری

اور ڈیوڑھی پہ کھڑا ایک غلام زنگی
اپنی دنیاے تصور میں کہیں کھویا گیا
آہیں بھرنے لگا اٹھے ہوئے آنسو روکے
بیٹھے بیٹھے اسے کیا جانے کیا یاد آیا

اس کے خوابوں کی سیہ چہرہ پری رہتی ہے
ارض تاریک جش کی کسی وادی میں کہیں
اڑ کے جائے اسے سینے سے لگا لے لیکن
آج اک جنس تجارت ہے یہ انساں تو نہیں

یہ بھی دنیا ہے وہی آؤ کہیں اور چلیں
آئے تھے ہم تو اسی درد سے ڈرتے بچتے
سسکیاں گیت کی لے سے ہیں گلوگیر یہاں
گرم اشکوں میں شرابور ہیں رعنا چہرے

کون بیٹھا ہے وہ دیکھیں تو سر راہ گزر
ہے اسی شہر کا باسی کہ مسافر کوئی
اپنے وعدے کو نبھائے گی کوئی مہر نگار
کس کی رہ دیکھ رہا ہے ذرا پوچھیں تو سہی

ابوالحسن نام کا اپنا یہ وہی دوست نہ ہو

آ نکلتا تھا جو ہر شام سر راہ گزار
جستجو دل میں کسی اجنبی مہماں کی لیے
اس کی یہ وضع معین تھی خزاں ہو کہ بہار

بھیس میں تاجر موصل کے خلیفہ ہاروں
ایک شب اس کے شبستاں میں جو آ کر ٹھہرا
کھا کے ایک روزہ خلافت کا فریب سیمیں
یہ بچارا کسی مجلس میں نظر آیا تھا
دیکھنا ظل الہی کی سواری آئی
راستہ چھوڑو کہ سلطان جہاں آتے ہیں
ساتھ لشکر ہے ندیموں کا خراماں بہ ادب
سر پہ طاؤس و ہما سایہ کناں آتے ہیں

دھول مٹی میں سنے کیڑو مکوڑو رستہ
بندگی پیشہ غلاموں کے گرد ہو چھٹ جاؤ
اپنی منحوس جبینوں کو چھپا لو فوراً "
شاہ دوراں کی نگاہوں سے پرے ہٹ جاؤ

دور وادی میں نظر آتی ہے اونچے اونچے
سبز پریوں کے محلات کی دھندلی سی قطار
آؤ کچھ دیر وہیں چل کے ذرا سستا لیں
کچھ تو ہو خاطر درماندہ کو ساماں قرار

شہر مسحور نہ پڑتا ہو مگر رستے میں
جس کے بازار میں خاموش بہائم سے بچے
ایک دن یہ سبھی انسان تھے مگر آج نہیں
کس میں ہمت ہے کہ اس سحر گراں کو توڑے

کتنے مہ پاروں کے جھرمٹ ہیں حرم کی رونق
بچتے ہیں چاند سے جسموں پہ مرصع گہنے
جمع ہیں خدمت اقدس میں نوادر کیا کیا
ظل سبحانی کی سطوت کے تو پھر کیا کہنے

چنچ کس کی یہ سر بام فلک جا پہنچی
کون برسوں کی تمنا سے لپٹ کر رویا
پہلوئے شاہ میں کس کس کا جگر گوشہ ہے
کتنی کٹیاں اجڑ کر حرم آباد ہوا

درد خوابیدہ کی ٹیسیں بھی تو جاگ اٹھتی ہیں
عشرت روح کا سماں نظر آتا ہے جہاں
ایک کانٹا بھی تو چبھ جاتا ہے چپکے سے کہیں
پھول نکبت بگریباں نظر آتا ہے جہاں

شہر رومان پہ چھایا ہے وہی رنگ ملال
جس سے انساں کو مفر عالم امکاں میں نہیں
سند باد آئے مگر سختی طوفاں کے ستائے

تسمہ پاؤں کی اسیری میں دل افکار و غمیں

کس کی محفل میں یہ لے آئی ہے اب کے افتاد
بزم ہاروں تو نہیں حاجب در سے پوچھیں
ہر کوئی اٹھ کے سنا تا ہے کہانی اپنی
ہم بھی اس حلقے میں چل کے ذرا بیٹھیں دیکھیں
ظل سبحانی ترا مرتبہ قائم دائم
تجھ کو اللہ سلیمان کا منصب بخشے
میں بھی اس شہر کے بازاروں میں نووارد ہوں
میری باری ہے تو میری بھی حکایت سن لے

میں کسی شہر کا تاجر ہوں نہ والی نہ وزیر
نہ کسی شاہ معاصر کا جگر گوشہ ہوں
نہ کسی بادشہ زادی کی محبت کا اسیر
سر میں سودائے ریاست نہ امارت کا جنوں

میں ہوں دہقان جو کھیتوں میں اگاتا ہے اناج
فصل پکنے پہ سمجھتا ہے کہ محبت بر آئی
یہ مگر تیرا کہیں تیرے پیادوں کا خراج
میں جو کھلیان سے دامن لیے اٹھا خالی

آج مزدور ہوں اک تیل کے مل کا مزدور
اور اس جہد شب و روز سے پایا کیا ہے

خود تہی دست ہوں خواجہ کے خزانے بھرپور
اب میں یہ پوچھنے آیا ہوں یہ دنیا کیا ہے

کیا مجھے پرچم کا وہ لیے آنا ہو گا
کیا تبھی ہوش میں آئے گی خلافت تیری
کیوں تری بزم ہوئی جاتی ہے درہم برہم
ظل سبحانی مری بات تو سن لی ہوتی

نرم بالو کا بچھونا ہے خنک اور مرطوب
چاند مغرب میں بہت دور کہیں جا پہنچا
سطح دجلہ پہ گفہ ہے نہ محیلہ کوئی
نوحہ خواں بوم بھی مدت ہوئی خاموش ہوا

گھنٹیاں بجتی ہیں گرد اڑتی ہے شور اٹھتا ہے
کارواں موصل و شیراز کے آتے ہوں گے
مشہد و یزد و صفاہاں کے امیروں کے سفیر
تحفے ہر ملک کے ہر دیس کے لاتے ہوں گے

یا ہلاکو کے عساکر کا ہراول ہو گا
جس نے تسخیر ممالک کے عزائم لے کر
آج بغداد کے ایوانوں کو تاکا ہو گا
اب کوئی دم میں ہوا جاتا ہے سب زیر و زبر

کیا مگر اس سے بدل جائیں گے اپنے ایام؟

ہوں وہ مستعصم و ہاروں کہ ہلاکو کوئی
جب تک اس نچ پہ چلتا ہے زمانے کا نظام
کون کہتا ہے بدل سکتی ہے قسمت اپنی
کوئی موہوم سی اس آس پہ کب تک جی لے
ٹھہرو اب کوئی فرستادہ غیب آئے گا
آ کے توڑے گا وہ افلاس کے غم کے بندھن
پر جو مہدی کی بجائے وہ ہلاکو نکلا

ابن آدم کا جہاں درد ازل کا محور
قید غم سے کبھی آزاد بھی ہو گا کہ نہیں
حسرتیں دل میں پلے جائیں گی کب تک آخر
یہ خرابہ کبھی آباد بھی ہو گا کہ نہیں

اب تو لو پو بھی پھٹی نور کا تڑکا بھی ہوا
اور میں اب تک یہیں بیٹھا ہوں یہ عالم کیا ہے
رات کے آخری تاروں کا وداع خاموش
صبح تازہ کی ولادت کا پتا دیتا ہے

اور کسی پاس کی بستی میں موزن کوئی
اہل ایماں کو بلاتا ہے جماعت کے لیے
اس کی آواز کا یہ سحر ترنم یہ گداز
دل سے کہتا ہے یہاں سے نہ اٹھاؤ ڈیرے

دور اک ریل کے انجن کی پریشاں سیٹی
چنچ اٹھی ہے کہ تعطیل کے دن ختم ہوئے
آج ہی رخت سفر باندھ کے جانا ہو گا
منتظر بیٹھے ہیں کرکوک میں افسر میرے

پھر وہی سر بفلک دود کشوں کی دنیا
پھر وہی تیل کے چشموں کی فضائے بو دار
پھر وہی سلسلہ جہد گراں مزد قلیل
اور وہی محل میں خواجہ کے طلا کے انبار

اور یہ خواجہ کہیں افرنگی کہیں امریکی
جس کی صد رنگ سیاست کا ظلم سپہیں
تسمہ پا بن کے ہے مشرق کی فضاؤں پہ سوار
کب تک اس سحر کا معمول رہے گا یہ زمیں

شہر زادوں کے تخیل کا وہ بغداد کہاں
نفت و روغن کی سیاست ہے فضاؤں میں رچی
بھیس میں تیل کے تاجر کے نکل آتا ہے
اب بھی بغداد کی گلیوں میں خلیفہ کوئی

کوئی اس تاجر معصوم کے حیلے دیکھے
صاحب خانہ بنا جاتا ہے کل کا مہماں
چام کے دام چلاتے ہیں اجارے اس کے

نام ہاروں کا ہو فیصل کا ہو زیب عنوان
اب بخارا و سمرقند کی راہوں سے کبھی
بہر یلغار نہ آئیں گے ہلاکو کے مغول
آج کی دنیا ہے لارنس و گلب کی دنیا
آج تسخیر ممالک کے ہیں کچھ اور اصول

ابروئے سام کا ادنیٰ سا اشارہ ہو اگر
قومیں بک جاتی ہیں اور تخت الٹ جاتے ہیں
عظمت دہلی و ایتھنز تو افسانہ ہوئی
ہند و یونان اسی حاتم کا دیا کھاتے ہیں

بصرہ و موصل و بغداد ہیں اس کی جاگیر
روم و مصر اس کے ہیں مجد اس کا ہے شام اس کا ہے
اس کے سکے کے طفیل ایک جہاں میں آشوب
آج بغداد کا ہاروں بھی غلام اس کا ہے

حرف ڈالر کی کرامت ہے کچھ ایسی بلوان
حرف سم سم کا فسوں گرد ہوا جاتا ہے
کچے دھاگے میں بندھی آتی ہیں سرکاریں سبھی
تیل دھرتی کی ہر اک نس سے کھنچا آتا ہے

سِل انوار سحر پھیل چلا ہر جانب
آخر شب کے دھندلوں کا فسوں بھی ٹوٹا

اب تو بہتر ہے کہ بستی کی طرف لوٹ چلوں
آج ہی رخت سفر باندھ کے جانا جو ہوا

دل کے الجھے ہوئے احوال کو سلجھا نہ سکے
شہر ہاروں کے یہ پر پیچ مسقف بازار
میں سرائے سے جو نکلا تو پھرا سوق بسوق
پھر بھی چھایا رہا جی پر وہی بے نام غبار
قہوہ خانے میں جو پل بھر کے لیے جا بیٹھیں
آنکھیں آوارہ گداؤں کا ہجوم
گوئج اٹھتا ہے اک آوازہ شینا

گھول دیتا ہے جو ہر جرمہ قہوہ میں زقوم

شہر و صحرا میں پلے جائے گی کب تک یہی بھوک
عام کب ہوں گے الہ دین کے جادو کا چراغ
کوئی شہزادہ نہ لائے گا کوئی ردِ ظلم
کوئی انساں کو بتائے گا کوئی راہ فراغ

اب بخارا و سمرقند کی راہوں سے نسیم
لایا کرتی ہے دم صبح بہاروں کے پیام
اور ہر پھول سے کہہ جاتی ہے چکے چکے

تم بھی چاہو تو بدل سکتے ہیں گلشن کا نظام

تم کو آدم کے مقدر کے جگانے کے لیے
 بابل و نینوہ کے ساحر نہ بلانے ہوں گے
 مصر و بغداد کی بگڑی کے بنانے کے لیے
 مصر و بغداد کے جمہور جگانے ہوں گے

ورنہ کچھ سوچ کے بھرتا ہی رہے گا آہیں
 شاہی ڈیوڑھی پہ سیہ بخت غلام زنگی
 اور ہر موڑ پہ آوازہ "شینا" للہ
 ہر مسافر کے تعاقب میں رہے گا یونہی



شنگھائی

شام کے گہرے سائے پھر پیغام اداسی کا لے آئے
 درد جو دل میں جاگ اٹھے پھر دل پہلے کس کے بہلائے
 ہوٹل کی چھت پر لیٹا ہوں جانے کیا کیا سوچ رہا ہوں
 کروٹ کروٹ بات وہی ہے نیند کسی پہلو بھی نہ آئے
 دیس پرایا دوست نہ بلی حال غم دل کس سے کہوں میں
 کون سمندر چیر کے آئے میری لگی کو آ کے بجھائے

پائیں باغ کے گرجا کے گھڑیاں میں گیارہ بج بھی چکے ہیں
 بازاروں کا شور و شغب بھی لمحہ بہ لمحہ تھمتا جائے
 دریا کی پہنائی میں ایک سیئر کی سیٹی گونجے
 کس کو خبر ہے کس منزل کو جائے ہے اور کس کو بلانے
 چاند نے بھی پورب کے جھروکے میں اپنا مکھ دکھلایا ہے
 چاند سے باتیں کون کرے جب درد ہی دل میں اٹھا آئے

ہوٹل اب سنان ہوا جاتا ہے مسافر سونے چلے ہیں
 مجھ کو مگر اس بستر کی ایک ایک شکن ڈسنے کو آئے
 بین الاقوامی بستی میں چہل پہل اب تک ہو شاید
 اور کہیں اس دل کو بھی اپنے درد کا درماں مل ہی جائے

لڑکے دیکھ مرے بستر کو دھیان میں رکھنا چوکس رہنا
سیر کا یہ بھی وقت ہے کوئی سوچ کے لڑکا بھی مکائے

شگنائی کے پیلے پیلے سر بفلک تاجر محلوں سے
بچتا بچاتا کہیں کہیں ساگر کی ہوا کا جھونکا آئے
بین الاقوامی بستی کی عشرت گاہیں جاگ رہی ہیں
نغمے کی اک موج کبھی تھم جائے کبھی طوفاں ہو جائے
سینماؤں کے دروازوں سے افرنگی جوڑے نکلے ہیں
ہاتھ کمر میں پلکیں بوجھل، شانوں پر زلفیں بکھرائے

ایک	کا	یا	بارہ	کا	عمل	ہے
آج	کی	پکچر	لمبی	ہے		
آؤ	بھی	مادام	آؤ	بھی		
ایسے	میں	گھر	کیا	جاؤ	گی	
آدھی	رات	تو	بیت	چکی		
میڈونا	ہوٹل	میں	چلیں	گے		
رکشا	اد	چینی	کے	بچے		

رکشا لا

آج	بہت	پی	لی	ہے	جانی
قدم	قدم	پر	بہک	رہی	ہو

آؤ اور قریب آ جاؤ
 آدھی رات تو بیت چکی
 ٹک ٹک دیکھ رہا ہے کیسے
 او چینی اور مریل پلے
 رکشا لا

رکشا والا مریل پلا ٹک ٹک کس کو دیکھ رہا ہے
 تاجر کو جو مہمان بن کر آئے اور آقا بن جائے
 رکشا قلی کو یاد ہیں شاید اب تک وہی پرانی باتیں
 کیسے اک چچم کا بیوپاری کاندھے پر بکس اٹھائے
 چین دیں میں آیا تھا اور میٹھی بولی بول رہا تھا
 میٹھی بولی جیسے کوئی بات بات میں شہد ملائے

اے چینی اے چینی
 لے چینی افیون تو کھا

تیرے دودانوں کے آگے
 دنیا بھر کا سر نیچا
 تیرے بنا ساری دنیا میں
 چوہٹ اندھیارا ہوتا

ہم تو نرے بیوپاری ٹھہرے
ہم کو کسی سے کیا لینا
اک کوٹھی کی جگہ دلا دے
لے چینی افیون تو کھا

میڈونا ہوٹل کے اندر لوگوں کا میلہ سا لگا ہے
ساغر کھنکیں کاگ اڑے بوتل کا اور مستی چھا جائے
بال روم ساغر کھنکیں کاگ اڑے بوتل کا اور مستی چھا جائے
بال روم کے دھندلے دھندلے شیشوں میں سے جھانک رہے ہیں
سینہ بہ سینہ چہرہ بہ چہرہ ٹیالے ٹیالے سائے
ایک میز پر ایک البیلا پتلی بیٹھا ڈینگیں مارے
ایک طرف اک بڈھا ٹامی بیٹے دنوں کی بات سنائے

اس بستی کا بچہ بچہ ہم لوگوں کو سجدہ کرے تھا
اس بستی میں ہم لوگوں نے لاکھوں کیا اربوں ہی کمائے
بند گارڈن کے دروازے پر یہ بورڈ لگا رہتا تھا
”کوئی بھی چینی کوئی بھی کتا باغ کے اندر آنے نہ پائے“
آج مگر اسکولوں کے لڑکے بھی ہمارے منہ آتے ہیں
کوئی مری سب دولت لے لے بیٹے دنوں کو واپس لائے
میڈونا ہوٹل کے باہر لوگوں کا میلہ سا لگا ہے
بھک منگلوں کے غول کھڑے ہیں ہاتھوں کو کھٹکول بنائے

ایک طرف پڑی کے نیچے نگلی بھوکی روگی مائیں
اونگھ رہی ہیں اندھی بہری دیواروں سے ٹیک لگائے
سڑکوں کے ایک ایک موڑ پر ننھے بچے بڑھے چینی
چنچ رہے ہیں دانت نکوسے ”کوئی سخی پیسہ دے جائے“

میڈونا ہوٹل کے باہر شنگھائی کے فٹ پاتھوں پر
آئے برس جاڑے کے دنوں میں پالا اترے جھکڑ آئے
کال کے مارے ننگے بھوکے تیس ہزار انسان ایسے میں
مر جائیں چپکے ہی چپکے بھاگ کا لکھا کون مٹائے
صاحب شور مچا دیتے ہیں بو سے ناک پھٹی جاتی ہے
کونسل والے چنچ اٹھتے ہیں اتنی لاشیں کون اٹھائے

رات بھی دن بھی شپ شپ شپ شپ پپے چالیں رولر گھومیں
شنگھائی کی فیکٹریوں کی ماشینوں کو نیند نہ آئے
چھن چھن چھن سونے کے سکے بنک میں جا کر گرتے ہیں
مالک کی ٹھوڑی پہ ہمیشہ ایک نئی تہہ چڑھتی جائے
چہرے کی رونق بڑھتی جائے روز نئی تدبیریں سوچیں
اب کے برس کچھ چال چلیں ایسی کہ منافع چوکھا آئے

فیکٹریوں میں شپ شپ شپ شپ پپے چالیں رولر گھومیں
سولہ گھنٹے کام کرے مزدور پلک جھپکا نہ پائے

چھن چھن چھن سونے کے سکے بنک کے تھیلے بھرتے جائیں
چھ آنے کا پانے والا بات کرے اور گولی کھائے
کہیں کہیں پر دبی دبی فریادوں کا اک مدھم ریلا
ماشینوں کے شور سے یکدم ابھرے اور بھرتا جائے

ایک آواز

اے	ساتھی	یہ	جالم	ڈیوٹی
روح	کریں	پر	چین	نہ
کس	سے	اپنا	حال	کہیں
کس	کو	اپنا	درد	سنائیں
کھون	پسینے	فرق	نہ	سمجھیں
بھاری	بھر	کم	ملیں	چلائیں
پھر	بھی	ہمیشہ	دل	میں
کل	کیا	پہنیں	کل	کیا
پیٹ	پہ	پتھر	باندھ	کے
نٹ	پاتھوں	پر	عمر	بتائیں

دوسری آواز

ایک	ہمیں	پیڑت	نہیں	ساتھی
ایک	ہمیں	دکھیارے	نہیں	ہیں
اور	بہت	ساتھی	ہیں	ہمارے
ہم	اتنے	بیچارے	نہیں	ہیں

ہم	دھرتی	کا	پوٹا	چیریں
کولا	لوہا	بھر	بھر	لائیں
رکشا	کھینچیں	ریشم	کاتیں	
نہریں	کھودیں	محل	بنائیں	
ہم	کھیتی	کو	پانی	دیویں
ہم	کھیتی	سے	ان	اچھائیں

پہلی آواز

ہم	کھیتی	کو	پانی	دیویں
ہم	کھیتی	سے	ان	اچھائیں
پھر	کیوں	اتنے	سکٹ	جھیلیں
بھوک	سے	چھٹکارا	نہ	پائیں
پورب	چھٹم	اتر	دکھن	
آگے	پچھے	دائیں	بائیں	
کال	کے	راہیں	چار	کوٹ میں
گدھوں	کی	صورت	منڈلائیں	

دوسری آواز

اے	ساتھی	یہ	بات	نہ	چھیرو
بات	کریں	تو	جیب	کنائیں	

پہلی آواز

ٹک	ٹک	بیٹھے	کب	تک	لیکن
----	----	-------	----	----	------

یہ	انیاے	دیکھے	جائیں
یہ	جلاد	حکومت	والے
ہمرا	پہنیں	ہمرا	کھائیں
ہمراے	ساتھی	ملک	بدر
ہمراے	ساتھی	جیل	میں
ہمراے	نیتا	پھانسی	لٹکیں
ہمراے	نیتا	گولی	کھائیں

(دونوں آوازیں مل جاتی ہیں پھر بیسیوں آوازیں پھر سینکڑوں)

کل	جو	ہوا	ہے	اب	نہیں	ہو	گا
فیکٹریوں	سے	نکلو	آؤ				
رکشا	موڑو	ریلیں	چھوڑو				
بسیں	گراہوں	میں	پہنچاؤ				
اے	دفتر	کے	بابو	نکلو			
پوچھی	کو	دریا	میں	بھاؤ			
پڑھنا	لکھنا	کل	پر	چھوڑو			
اسکولوں	سے	لڑکو	آؤ				
آج	یہ	بیری	جانے	نہ	پائیں		
گھیرا	ڈالو	ہاتھ	دکھاؤ				
کونگ	سونگ	کو	گولی	مارو			
چیانگ	کو	پھانسی	پر	لٹکاؤ			
ماؤ	کی	فوجیں	کتنی	دور	ہیں		

ماؤ کی فوجوں کو بلواؤ

شنگھائی کے اسٹیشن پر بندر گہ پر بھیڑ لگی ہے
دیکھیں کب اسٹیمر چھوٹے کب دکھن کو گاڑی جائے
سڑکیں وہی ہیں اور سڑکوں کے موڑ وہی پر رفتہ رفتہ
اک شنگھائی دم توڑے اور اک شنگھائی ابھر آئے
ایک ایک انسان کے دل میں آگ کی لائیں جاگ رہی ہیں
ان لائوں کو کون دبائے اس جوالا کو کون بجھائے
یہ ریلا تو رک نہ سکے گا یہ موجیں تو تھم نہ سکیں گی
یہی کا طوفان خروشاں بڑھتا آئے چڑھتا آئے
نوبت باجے قرنا پھونکیں ماؤ کے دہقان گوریلے
ان کی لگن کو کون خریدے ان کی قیمت کون چکائے
میدان ان کے پاؤں کی مٹی جنگل ان کو گھاس کے تنکے
دریا نالے حکم کے بندے پر بت ان کو سیس نوائے

شنگھائی میں، کلکتے میں لوگوں کو پیغام سنا دو
بھوک سے ننگے فٹ پاتھوں پر اب سے کوئی مرنے نہ پائے
سائیکون میں کولہو میں سب کے دل میں جوت جگا دو
رونے کے دن بیت چلے اب کوئی نہ دکھیا نیر بہائے
رات جہاں بلوان ہو اب تک آشاؤں کے دیپ جلا دو
اجلے دنوں کی دھندلی ریکھا اندھیاروں میں ڈوب نہ جائے



مضافات

جھٹ پٹا وقت ہے بہتا ہوا دریا ٹھہرا
صبح سے شام ہوئی دل نہ ہمارا ٹھہرا

ان سے وعدہ ہے کہ اک نظم حسین لکھوں گا
اپنی محبوبہ بے نام کی زلفوں سے طویل
اپنے مجبور ارادوں سے زیادہ بے باک
اپنی خاکستر افسردہ کے شعلوں کی دلیل
جیسے برسات کی راتوں میں لپکتا کوندا
چیر دیتا ہے گھٹا ٹوپ سیاہی کی فصیل
آج اس نظم کی تکمیل کا سودا لے کر
پھر مضافات کے کھیتوں میں نکل آیا ہوں
ریل کے پل کی سلاخوں کا سہارا لے کر
سوچتا ہوں کہ سر راہ یہیں دم لے لوں
دور وہ دھند کا بادل ہے کہ گاڑی کا دھواں
اور وہ نظم جو لکھنی ہے مگر کیا لکھوں

اپنے یاروں سے جدا ہو کے یہ عالم ہے کہ آج
دل نہیں قحط کا اجڑا ہوا ویرانہ ہے

اب ہیں بے مہری جاناں ہی کی باتیں باقی
 اب فقط برہمی زلف کا افسانہ ہے
 اب نہ بغداد کی اس رات کی یاد آتی ہے
 اور نہ شنگھائی پہ یلغار حریفانہ ہے

ہم نے جب وادی غربت میں قدم رکھا تھا
 دور تک یاد وطن آئی تھی سمجھانے کو
 پھول دامن سے لپٹتے تھے تعطر بکنار
 خار بے تاب تھے ہر راہ میں بچھ جانے کو
 اور اک دوست سر طنز پکار اٹھا تھا
 ”کوئی پتھر سے نہ مارے مرے دیوانے کو“

اور میں ایک سے اک راہ میں افقاں خیراں
 کتنے امصار و ولایات سے ہوتا جاتا ہے
 کتنے ہمرنگ زمیں داموں سے بچتا بچتا
 لکہ ابر گریزاں سر دشت و صحرا
 شہر خوباں کے جھروکوں کا تصور باندھے
 ایک دن ایسی ہی اک شام یہاں آ نکلا

کتنا خوش تھا کہ اب اس شہر کو چھوڑ آیا ہوں
 جس میں آزادہ روی جرم گنی جاتی ہے

صبح تازہ کو ہے افسردہ شعاعوں پہ غرور
رات بے نور ستاروں کی قسم کھاتی ہے
عشق سادہ کو جہاں رشتہ بپا رکھتے ہیں
عقل گستاخ کہیں راہ نہیں پاتی ہے

اب یہاں بیٹھ کے لکھیں گے محبت بھرے گیت
میرے شاعر نے کہ دل میں تھا مقید بیٹھا
پھر اسی غمزہ مانوس سے انگڑائی لی
پھر انہی تلکے اوراق کا دفتر کھولا
اور پھر کلک گھر بار کے اوپر جھک کر
ایک مسجود خیالی سے یہی عرض کیا

میں ترے مصر میں بک جاؤں سر راہنذر
میں ترے مصر کے بازاروں میں رسوا ہو جاؤں
تیرے اشراف مجھے توشہ ارزاں سمجھیں
میں ترے شہر میں نذر غم دنیا ہو جاؤں
مجھ کو ناکردہ گناہی کی سزا بھی منظور
کیا ہے اک بار جو معتب زلیخا ہو جاؤں

اب مگر جانب کنعاں نہ قدم اٹھیں گے
مجھ کو معلوم ہے معمورہ کنعاں کیا ہے

مجھ سے پوشیدہ نہیں خاک وطن کی قیمت
معنی خار و خس و سنبل و ریاں کیا ہے
کتنی بے مہر ہوا کرتی ہیں گھر کی یادیں
زیت میں مرحلہ شام غریباں کیا ہے

میں غم شام غریباں کا گلہ مند نہیں
زہر لگتے ہیں وطن کے در و دیوار مجھے
جانے کیا سوچ کے جنت سے نکل آیا ہوں
تہمت گندم و حوا سے ہے انکار مجھے
میری سرگشتی عشق پہ جائے نہ کوئی
رسن و دار کا سمجھے نہ سزاوار مجھے

لیکن اس شہر کے کوچے بھی وہی کوچے ہیں
یہ نیا شہر خیالوں کا نیا شہر کہاں
ایک کانٹا ہے کہ سینے میں کھٹکتا ہے ہنوز
اک چھلاوا ہے کہیں ذہن کی قبروں میں نہاں
پھر کوئی منزل دشوار بلاتی ہے مجھے
دل کی وحشت کا ٹھکانا تو یہاں ہے نہ وہاں

ان سے وعدہ ہے کہ اک نظم حسین لکھوں گا
لیکن افکار حسین ذہن میں آتے ہی نہیں

تا قلم آ کے پھسل جاتا ہے کیا کیا مصرع
سنگلاخ اتنی بھی ہوتی نہیں شعروں کی زمیں
شوق کہتا ہے کوئی دم تو اٹھا لو یہ حصار
عقل کہتی ہے وہی دشت نہ قسمت ہو کہیں

اور ادھر کوچہ و بازار کی پہنائی میں
جانے کیا شور ہے یہ شور قیامت ہی نہ ہو
عقل کہتی ہے درپچوں کے گرا دو پردے
شوق کہتا ہے نہیں دل کو ٹٹولو اٹھو
میں اسی برج میں رہتا ہوں مرا نام یہ ہے
دوستو کس کو بلاتے ہو کھو کچھ تو کھو

اس گھٹا ٹوپ اندھیرے سے بچائے گا کوئی
گل ہوئی جاتی ہیں اس برج کی ساری شمعیں
کیا ہوئے محفل انصاف و دیانت کے مغاں
آج ہم دل کی حکایت جو کہیں کس سے کہیں
اب یہ سوچا ہے کہ پتھر کے صنم پوچیں گے
تا کہ گھبرائیں تو ٹکرا بھی سکیں مر بھی سکیں

مارو معتمد حلقہ ویگل ہے آج
سارتر کا مہ نخت ہے سر شام غروب

آج لہسین کا تکیہ ہے مزاج یورپ
اور آڈن کو فقط روح مسیحی محبوب
اشروڈ آج رشی یوگ کے سادھن سیکھے
کل کا ناخوب سپینڈر کی نظر میں ہوا خوب
وقت کے ساتھ مفادات بدل جاتے ہیں
ورنہ اب بھی وہی تقدیر جہاں ہے کہ جو تھی
آج پھر جنگ کے بادل ہیں فضاؤں پہ محیط
دل پہ کلچر کے سپاہی کی سناں ہے کہ جو تھی
فاشیت تازہ عزائم کو لے اٹھی ہے
امن و انصاف کی آواز کہاں ہے کہ جو تھی

میڈرڈ اب بھی ہمہ وقت لہو روتا ہے
وادیاں بار سلونا کی ہیں زنداں اب تک
جن میں سوتے ہیں بریگیڈ کے جانباز اپنے
قرطبہ کے وہ نواحیات ہیں ویراں اب تک
ان کی قبروں پہ صلیبیں نہ کوئی لوح مزار
یہ مسافر ہیں رقیب سر و سماں اب تک
سحر ٹوٹا نہیں بابل کے خداوندوں کا
کتنے فرعون خراماں ہیں سر ساحل نیل
کتنے روما ہیں شہنشاہی نیرو میں نزار
پہپائی ہیں بہیمانہ تماشوں کے قاتل

جس کے گھاؤ کی تراوش سے سمندر ہوئے سرخ
اب بھی یونان کے سینے میں ترازو ہے وہ کیل

وارسا ہے کہ سنبھلنے بھی نہیں پایا ہے
خون اب تک ہے بڈاپسٹ کے سینے سے رواں
اب بھی دلگیر ہے دیروز کی یادوں سے پراگ
اور مغرب کی طرف تکتا ہے حیراں حیراں
فاختہ لائے گی پیغام کرمس کہ عقاب
کون سی شے ہے سرا پردہ مغرب میں نہاں

کشت دہقان کو روندیں گے دبا بے آ کر
گولیاں ڈھلتی ہیں گمنام سپاہی کے لیے
سر پہ طیاروں کی گھمکار سنائی دے گی
دشت و کہسار پہ چھا جائیں گی فوجوں کے پرے
جیسے محبس سے نکل آئیں سلیمان کے جن
جیسے پنڈورا کے صندوق کا کھٹکا کھل جائے

ان سے وعدہ ہے کہ اک نظم حسین لکھوں گا
پر یہ کس سمت سے آنے لگی بارود کی بو
کوریا دور ہے اتنا بھی مگر دور نہیں
کھیت اجڑتے ہیں زمین بھنتی ہے بہتا ہے لہو

جسم نازک سے گزر جاتا ہے جلتا سیہ
ٹوٹ جاتا ہے بیک ضرب جوانی کا سہو

کانٹا چھتا ہے تو رگ رگ کی خبر لاتا ہے
ایک کی مرگ سے ہوتا ہے زمانہ غمگین
جنگ ہوتی ہے تو سنگینیں بھی چھتی ہیں ضرور
مرنے والوں کا شمار ایک نہیں سو بھی نہیں
کوئی بیٹا ہے کہ پیارا ہے کہ بھائی ہے کہ باپ
کچھ تو ہے جس سے ہوا جاتا ہے میدان رنگیں

اور میں سوچتا ہوں امن کے ہونے تک ہیں
زندگی کے سبھی ساماں غم جاناں کے سمیت
میرا کالج مری سیریں مری شاعر مری گیت
میرے غنچے مری بیلین مری خرمن مری کھیت
میرے چہرے مری سینے مری راتیں مری چاند
میری وادی مری دریا مری ساحل مری ریت

پھر توجہ کاروں کے کھراؤ سے دہلے گی زمیں
پس ڈالیں گے نئی پود کو ٹینکوں کے خراس
یادگاروں میں بنائیں گے منارے کبھی گیٹ
آپ وہ لگ نظر آئیں گے پھر دور نہ پاس

ایک اک گھر میں جو سیلاب بلا اٹھے گا
اس کو روکیں گے نہ انعام نہ تمغے نہ کراس

میں تو چینی ہوں نہ یٹکی ہوں نہ کالا ہوں نہ لال
بس یونہی سیر کو کھیتوں میں نکل آیا ہوں
امن اک حرف سیاست ہے کہ کچھ اور بھی ہے
یہ سمجھ میں کہیں آ جائے تو آگے بھی چلوں
دور وہ گیس کا بادل ہے کہ توپوں کا دھواں
اور وہ نظم جو لکھنی ہے مگر کیا لکھوں



امن کا آخری دن

آج کیوں شام کے اخبار کی ہر سرنخی میں
ایک اک لفظ بنے جاتا ہے اچھے ہوئے جال
وسوسے اٹھ چلے آتے ہیں بادل بادل
کلبلاتے ہیں پڑے ذہن کے گوشوں میں خیال
اب تو ہر سطر سے آنے لگی بارود کی بو
اب تو ہر صفحے سے بے کھٹکے گزرتا ہے محال

بہر شبخون بڑھے آتے ہیں یادوں کے ہجوم
دیکھیں کیا حال بنے صبح کے ہوتے ہوتے
اتنی سوچیں ہیں کہ پہلے کبھی سوچی ہی نہ تھی
اتنے چہرے ہیں کہ پہلے کبھی دیکھے ہی نہ تھے
اب تو کابوس کی صورت ہیں رگ و پے پہ محیط
شام تک وہ جو سبھی نقش تھے دھندلے دھندلے

الف آندھی ہے کہ مغرب سے اٹھا چاہتی ہے
الف امید چراغ تہ داماں ہے ابھی
الف ایٹم ہے باغوش ہزاروں آشوب
الف آدم کہ بہ غم چاک گریباں ہے ابھی

الف اک امن کہ جاں دی تھی تو پایا تھا اسے
الف اک اشک کہ مرگاں پہ فروزاں ہے ابھی

ب وہ بندوق کہ اک روز کہیں سر ہو گی
ب وہ بمباروں کا جھرمٹ ہے کہ بڑھتا آئے
کبھی دھقاں کے گھروندے پہ تو خرمن پہ کبھی
بے اماں برق کا کوندا ہی پڑا لہرائے
قریے قریے سے لپکتی ہوئی لائیں انھیں
بستی بستی کو شراروں سے جھلتا جائے
پ ہے پنشن کہ سپاہی کو شجاعت کے عوض
ایک پہلو میں ٹھمکتی سی بساکی دے جائے
پ وہ پلٹن ہے کہ اڑ کر سر میداں پہنچی
پ وہ پیارے ہیں کہ میداں سے نہ واپس آئے
ت وہ تمنغہ ہے کہ برسوں کی ریاضت سے ملے
اور کسی لاش کی چھاتی پہ چمکتا رہ جائے

ٹ کسی باغ جوانی کی لچکتی ٹہنی
ہم کے اڑتے ہوئے ٹکڑوں سے ہے پارا پارا
بوڑھے ماں باپ کی برسوں کی دعاؤں کا ثمر
ٹ کسی اجنبی میدان میں دم توڑ گیا
لوٹے قدموں سے گونجے گی نہ گھر کی دہلیز

آپ کا لخت جگر ملک پہ قربان ہوا

ج وہ جنگ کا بازار ہے جس میں جا کر
اتنی صدیوں میں بھی انسان کی قیمت نہ بڑھی
ج وہ چاندی ہے وہ چاندی کے چمکتے سکے
جن سے دنیا کی ہر اک چیز خریدی نہ گئی
پھر بھی ہر بیس برس بعد وہی سودے ہیں
وہی تاجر ہیں وہی جنس ہے قیمت بھی وہی

ح حکایت ہے کہ ہونٹوں پہ ادھوری رہ جائے
ح وہ حسرت ہے کہ سینے کو بنا لے مدفن
خ خیالات کا ریلا ہے کہ یکسر رک جائے
دب کے رہ جائے جو خندق کے خلاؤں میں بدن
ٹینک کر دیں گے ہر اک ڈھیر کو آ کر ہموار
بے نشان قبروں پہ آگ آئیں گے دو سال میں بن

د ہے درد سے لبریز دلوں کی دھرتی
ڈ ہے ڈولتا سینہ کبھی ڈھلکا آنسو
ذ ہے ذکر کسی دوست کا وہ ذکر جمیل
ہائے کن رفتہ بہاروں کے گلوں کی خوشبو
آج لاشوں کے تعفن میں دبی جاتی ہے

سرد سنگینوں کے زخموں سے ابلتا ہے لہو

ر وہی ریل کی سیٹی وہی رعنا چہرا
ر وہی رات وہی اس کے بھیانک سپنے
چونک کر کون یہ بستر سے یکایک اٹھا
”میرے بچے کو خداوند سلامت رکھے“
ایک تارا کہیں ٹوٹا تھا کہیں ڈوب گیا
ڈاکیا آئے گا دو روز میں اک تار لیے

ز ہے وہ زہر کہ پھر روح میں گھل جائے گا
ز ہے وہ زخم کہ لاتا ہے خبر دل تک کی
اب بھی بستی میں بڑے پیر کا میلہ ہو گا
لہلہاتے ہوئے کھیتوں میں بہار آئے گی
پر نہ ان راہوں سے لوٹے گا بنی والا
اب چراگاہ میں گونجیں گی نہ تانیں اس کی
س سہرا کسی دولہا کا کسی بیچ کے پھول
س جلتا ہوا سیسہ کسی سنگین کی دھار
س ساحر ہیں سیاست کے کہ گھر میں بیٹھے
اپنے زانو پہ لیے صبح کے سارے اخبار
سوچا کرتے ہیں یہ پڑھتے ہوئے تازہ خبریں
روٹی کے بھاؤ میں ہوتا ہے چڑھاؤ کہ اتار

اپنے اس شہر سے ہیں دور وہ میدان جن میں
شعلہ ہے کہ بارود کا سینہ چاٹے
کسی مسجد کا منارہ کسی اسکول کی چھت
اک دھماکے میں سلگتا ہوا ملبہ بن جائے
کوئی کھیتی کوئی کرخانہ کوئی پل کوئی ریل
ایک دنیا ہے کہ برسوں میں بنائے نہ بنے

ص وہ صبح کہ ہر ذہن کی پہنائی میں
لا کے بو دیتی ہے نادیدہ صلیبوں کا انتظار
ضخروں کے ضمیموں کا وہ اگلا ہوا زہر
جس سے کچھ اور ہی بڑھ جاتا ہے وحشت کا فشار
ناچنے لگتے ہیں بے تابی سے فہرستوں کے نام
آنکھیں بن جاتی ہیں روکے ہوئے اشکوں کے مزار

ططروق کا صحرا ہے جہاں سے اب بھی
اپنے گم گشتہ عزیزوں کی صدا آتی ہے
اس جگہ فتح کی خبریں ہیں نہ چلے نہ جلوس
ایک صرصر ہے کہ آتی ہے گزر جاتی ہے
استخوانوں سے بھلا کس کو محبت ہو گی
یاں کوئی دوست نہ ہدم نہ ملاقاتی ہے

ظ ظلمات کا دریا ہے کہ طوفان بدوش
 آس کی ننھی سی کشتی کو ڈبونے آئے
 اور جب ظلم کی معیاد کے دن اور بڑھیں
 ع وہ عشرت فردا ہے کہ عنقا ہو جائے
 غ وہ غم ہے کہ جاناں سے نہ دوراں سے ہے خاص
 دل مگر اس کی کک سے نہ سنبھلنے پائے

ف ہے وہ فتح کہ کچھ لے تو گنی دے نہ سکی
 ف ہے فردا کہ چھلاوے کا چھلاوا ہی رہا
 ق قریہ ہے کہ اتنا بھی نہ ویراں تھا کبھی
 اب نہ چولہوں سے دھواں اٹھتا ہے نیلا نیلا
 اور نہ وہ کھیت نہ وہ فصلیں نہ وہ رکھوالے
 ایک اک گاؤں کے چوپال میں الو بولا

ک کنبوں کے کمل ک کتابی چہرے
 ک کاکل ہے کہ خوشبو میں بسی رہتی تھی
 اور جب دور کے دیسوں کے سپاہی آئے
 ک کرگس نے کھلے کھیت یہ بازی جیتی
 کوریا کتنے خرابوں کا پتا دیتا ہے
 یہ جگہ شہر تھی یہ گاؤں تھا یہ بستی تھی

گ گاتی ہوئی گولی ہے کہ گن سے نکلے
 کسی گمنام سپاہی کا نشانہ باندھے
 ایک سایہ کسی کھائی میں تڑپتا رہ جائے
 اپنی برسوں کی تمناؤں کو سینے میں لیے
 گ گبرو ہے کہ بائیس بہاروں میں پلے
 ل لاشہ ہے کہ دو روز کے اندر سڑ جائے

م محبوب کا آغوش بھی ہے موت بھی ہے
 ایک ہی وقت میں ممکن نہیں دونوں سے نبھاؤ
 ن ندی کا مدھر نغمہ بھی نیپام بھی ہے
 اب اسے دوست بناؤ کہ اسے دوست بناؤ
 زیست اور موت میں مشکل نہیں جانبداری
 سیدھی باتوں کو دلیلوں کے لبادے نہ پہناؤ
 و ہے وقت کہ ہاتھوں سے ہے نکلا جاتا
 واہے دیتے ہیں آ کر در دل پر دستک
 فاختہ کتنی بھی طیار و سبک سیر سہی
 سینکڑوں کوس ہیں بمبار کی رفتار تلک
 امن کے گیت کی لے تیز کرو تیز کرو
 ساحل دور سے آنے لگی توپوں کی دھمک

وہ ہیرو ہیں کہ پھر نکلے ہیں چھیلے بن کر
 بستی بستی کو ہیروشیما بنانے کے لیے
 وہ یادیں ہیں کہ دھندلائیں نہ مٹنے پائیں
 اور ہم جنگ کی دہلیز پہ پھر آ نکلے
 وہ یوسف کہ خدا کو بھی نہ سوئے جائیں
 پھر انہی اجنبی میدانوں کا رستہ لیں گے
 آسمان تیرہ و تاریک ہے تارے مغموم
 چاند بادل سے نکلتے ہوئے گھبراتا ہے
 شمع امید کی لو کانپ رہی ہے کب سے
 دل دھواں دھار گھٹاؤں میں دبا جاتا ہے
 لو کسی دور کے گر جا میں وہ گھڑیاں بجا
 قافلہ صبح کا آتا ہے کہاں آتا ہے؟



افتاد

نگاہوں کی دوری کی دشوار منزل میں تم آج سے دور تر ہو گئے ہو
 شب ہجر کی اولیں منزلوں سے گریزاں مثال سحر ہو گئے ہو
 تمہیں زیت کے موڑ پر آ کے ملنے کے وعدے کی معیاد تو آ چکی ہے
 مگر اب تو کچھ پاؤں تھک سے چلے دور کی باٹ ہے شام دھندلا چکی ہے
 وہ اتر کے ملکوں سے کونجیں پہلی مسلسل چلی آ رہی ہیں
 وہ پچھتم سے اٹھے اندھیرے کی پرچھائیاں سرمئی پنکھ پھیلا رہی ہیں
 وہ پورب میں میاتی بھیڑوں کے گلے کے بارے کے پہلو میں دہکا الاؤ
 مگر کالے کوسوں کی دشوار منزل کہے جا رہی ہے ابھی لوٹ جاؤ

سبک چاند نے سرمئی شام کی بھاری چلمن کو سرکا کے چہرا دکھایا
 اداسی کے گرداب کے دائرے اور گہرے ہوئے جانا کیا یاد آیا
 فضاؤں میں کچھ جانی پہچانی شکلیں ہیولوں کی صورت کہیں تیر آئیں
 کسی نے سر صبح ڈیوڑھی پہ آ کر گئی شب کی ناشاد خبریں سنائیں
 بایں چاک داماں بھی کنگاں کے یوسف سندیے گناہی کی کیا کیا نہ لائے
 مگر قلعہ مصر کے اونچے برجوں کو زہار زہار جھکنا نہ آئے
 یہ ہالی کے بیلوں کی جوڑی کے گھنگھرو جھنا جھن بجے جا رہے ہیں
 کہ یادوں کی ویران راہوں سے پھر دوستوں کے وہی قافلے آ رہے ہیں

شب ماہ میں گھومتے گھامتے شعر سنتے سناتے سحر کرنے والے

وہ سرمست و آوارہ احباب اپنے وہ سپنوں کے لو بھی امنگوں کے پالے
کسی ساحل بحر ذخار کی سپیاں چنتے چنتے کہاں کھو گئے ہیں
کہ ان کی اجنبیوں کے روشن چراغوں کی یادوں کے شعلے بھی مدھم ہوئے ہیں
ارے اونچے اونچے حریموں کے اوپر سے پرواز کرتے ہیں پرندوں کی ڈارو
سنو تو سہی کوئی دم کہ ہمیں ساتھ لے جاؤ ان دوستوں میں اتارو
مگر گاؤں کے جھونپڑوں کا دھواں ہے جس میں رنگ شفق تھوڑا سنولا رہا ہے
نگاہوں کی دوری کے پردے کی مانند دیوار محکم بنا رہا ہے

مرے دل کے روشن جھروکے سے جھانکا ہے پھر ایک معصوم و شاداب چہرا
تصور مجھے تیرے مجبور جلووں کا خاموش پیغام دیتا رہے گا
اسے اپنی وحشت کی افتاد سمجھیں کہ پندار مجبور کی بے نیازی
بہت دن بساط جہاں پر رہے پر یہ نردیں نہ چھوئیں یہ کھیلی نہ بازی
رفیقوں نے اپنے مصاحب جہاں میں ولایات جیتی ہیں میدان مارے
مگر ہم تو ان سے بچھڑ کے لڑائی کے پہلے ہی میدان میں اپنے سے ہارے
کوئی آشنا آشنا سی خلش پھر بھی مجبور کرتی ہے بولو نہ بولو
کہیں سے بوئے دوست آنے لگی ہے ذرا من کی ڈیوڑھی کی کنڈی تو کھولو
بہت زور کی بات ہے سردراتوں میں اندھے چراغوں کے سایوں میں لیٹے کتابوں کے قصوں
کے جنوں سے دنیا زمانے کے اسرار پوچھے تھے ہم نے
سنا تھا ہماری ہی رہ تک رہی ہیں ٹچسٹر کی پریاں سراپے سنوارے
مگر کوئی اپنے بلائے نہ بولا بہت نام لے لے کے ہم تو پکارے
کسی خضر فرخندہ صورت نے ہم کو نہ زنبیل بخشی نہ جادو سکھایا
ہمیں تو زمانے کے کوہ ندا سے یہی ایک پیغام سننے میں آیا

”نہ سینے سے آہوں کے بادل اٹھاؤ نہ آنکھوں سے اشکوں کے خوشے اگاؤ جو محنت کرو اس کی اجرت بھی مانگو جو کھیتی کو جوتا ہے روٹی بھی کھاؤ“ مگر آنے والے زمانے کے مرلن جو آئے تو با صد کرامات آئے پرانے صحیفوں کے احکام عشرہ کو منسوخ کر کے نئے حکم لائے کتابوں کے پیچیدہ لفظوں کا جادو بھی دھرتی کے بیٹوں کے سر چڑھ کے بولا نئے بادلوں نے نئے منبروں سے نئے آدمی پر نیا بھید کھولا سر طاق چرخ چہارم کے اوپر دبیر ازل کے نوشتے دھرے ہیں کہ جن میں بشر کے مقدر کے اعراب و اوقاف تک مرتسم ہو چکے ہیں جو چھوٹا ہے تحقیق چھوٹا رہے گا بڑے ہی کے مقوم میں ہے بڑائی یہ کاوہ ہے باغی ابو ذرا فساد یی مزد کہے کافر یہ لینن قسائی

اجالے کے مناد سورج کی رفتار تاروں سے یا کہکشاں سے چھپی ہے تو پھر آج کی شام کیوں آنے والے سویرے کے وعدوں کو بھولی ہوئی ہے اجالے اندھیرے کے طناز تاگے طلسمات کیا کیا بنے جا رہے ہیں نئے بندی خانوں کی باڑو کے کانٹوں میں وحشی خیالوں کی الجھا رہے ہیں یونہی شب کے پہلے پہر کے مسافر بہر گام تازہ غزل گانے والے سلاسل کے لوہے کی سنگین صلابت کو شبستاں پہ پگھلانے والے زمانے نے گیلی غلاموں سے اب تک ہزاروں برس فاصلہ طے کیا ہے ہر اک گام پر یہ مسافر نے دیکھا کوئی ہسٹل راہ روکے کھڑا ہے زمیں زادگاں پر زمیں زادگاں نے کبھی تیر چھوڑا کبھی دام پھینکا کبھی شہر و قریہ کو بلن بنایا کبھی کشت و گلشن پہ نیپام پھینکا کبھی اپنے طرار بمبار بھیجے کبھی اپنی جرار فوجیں بڑھائیں

کبھی ٹینک در ٹینک چڑھ آئے ظالم مگر ایسے حق بات رکتی ہے سائیں؟
کسی نے کہا اب اڑن چھتریوں سے قلم کے جبالے سپاہی اتارو
چلو چل کے مطلب کے میدان دیکھو چلو کچے ذہنوں پہ شبنون مارو
فسانے بنو یہ نیا آدمی غاصبوں کے ہے کھل کھیلنے کا بہانہ
کسی نے بہائم کے باڑے کا باسی کسی نے خداوند ناکام جانا

نیا آدمی بوڑھے آدمی کا بیٹا کہاں تک بھلا خود کو حیران کرتا
سر بام چرخ چہارم بھی پہنچا سر بال جبریل طیران کرتا
ایسر ازل نے دیر ازل کے نوشتوں کی محفوظ تحریر بدلی
یہ بے باک و گستاخ و کافر تو ٹھہرا مگر ارض اسفل کی تقدیر بدلی
کبھی ہوانگ ہو کے خروشاں بہاؤ کے تسخیر کرنے کو پستے بنائے
کبھی آمو دریا کی پہنائی چیرے تو دشتوں کو فصلوں کے مژدے سنائے
ملوں کی مشینوں کے جائے یہ مزدور دھرتی کے کھیتوں کے بیٹے یہ ہالی
ہوئے تاشقند و بخارا کے سلطان بنے کینٹن اور مکڈن کے والی

ہمیں بھی ہوس تھی کہ آورش کے محل ایسے بنائیں کہ ڈھائے نہ جائیں
سر عشق میں بے ستوں کوئی کاٹیں جنوں کو کسی عجب میں آزمائیں
کسی بحر میں لے کے ٹکلیں سفینہ تو پہنائے پاتال تک گھوم آئیں
وہ ہیروں کی وادی وہ مونگوں کے ٹاپو کہاں ہیں چلو ہمتیں آزمائیں
جو کنگال ہیں ان کو دھرتی کی دولت عنایت کریں مسندوں پر بٹھائیں
جو مزدور ہیں ان کو محنت کا حاصل جو دہقان ہیں ان کو کھیتی دلائیں
جو ناکام ہوں تو غزل خواں غزل خواں بڑھیں بہر پاداش بے خوف ہو کر

میں تو میں مثل گبریل پیری' جسیں تو جہاں میں دمتروف ہو کر

مگر دوستو دوستو دوستو ہم جہاں سے چلے تھے ابھی تک وہیں ہیں
وہ آورش کے محل تو ڈھا چکے ان کے کھنڈرات میں غول بن کے مکین ہیں
وہ پہلے سا وحشت کا عالم کہاں ہے ابھی سے یہ محسوس ہونے لگا ہے
افق سے افق تک بڑی منزلیں ہیں کراں سے کراں تک بڑا فاصلہ ہے
بہت جی میں آتی ہے یاروں سے کہہ دیں ہمیں بھی پکارو ہمیں بھی بلاؤ
مگر کالے کوسوں کی دشوار منزل کہے جا رہی ہے ابھی لوٹ جاؤ
گدائی میں ہم شہر کنعاں کے سخیوں کے محلوں کے دیوار و در چوم آئے
جو سچ پوچھو اس میں بڑی عافیت ہے مگر قلعہ مصر کو کون ڈھائے

ہمیں گرد بن کر پس کارواں دھندلے دھندلے سے قدموں پہ جمتے رہیں گے
ہمیں راستے کے ہر اک موڑ پر اک نہ اک عذر پر یونہی تھمتے رہیں گے
مگر دور کی منزلوں کی یہ راہیں تو ویران اب تک ہوئی ہیں نہ ہوں گی
جری شہسواروں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے انجان اب تک ہوئی ہیں نہ ہوں گی
سمجھتے ہیں ہم آنے والا زمانا تمہارا ہے لوگو ہمارا نہیں ہے
مگر اپنے پاؤں کہ تھک سے گئے ان میں اور آگے بڑھنے کا یارا نہیں ہے
یہی راستہ ہے رکے تو گئے رات لمبی ہو یا باٹ لمبی ہو جاؤ
وہ پورب میں میاتی بھیڑوں کے گلے کے باڑے کے پہلو میں دھکا الاؤ



کوہجے

پھر کوہجے میں گولی برسی پھر کوہجے میں جنگ ہوئی
 پھر سرخوں نے سازش کر کے ہنا کا پرچار کیا
 گود میں آزادی کی ہمک کر آنے سے انکار کیا
 اپنے باغی راگ الاپنے سرخ سرخ جھنڈے لہرائے
 سارے بندی ایک کر کے نکلے اور مل کر چلائے
 ہم کو ہمارے حال پہ چھوڑو اجنبیو اس دیس سے جاؤ
 نگر نگر کو بندی خانہ کھیت کھیت مرگٹ نہ بناؤ
 ان کی باغی للکاروں سے وادی وادی گونج اٹھی
 پھر کوہجے میں گولی برسی پھر کوہجے میں جنگ ہوئی

ہم نے انہیں کتنا سمجھایا روس کی چالیں ہیں کیا کیا
 ہم لوگوں کو سات سمندر پار سے کیونکر آنا پڑا
 پر وہ ہماری انسانی ہمدردی کے قائل نہ ہوئے
 جبری مزدوری سے بچ کر آنے پر مائل نہ ہوئے
 آخر ہم ٹینکوں کے دستے طیاروں کے بیڑے لائے
 جمہوری توپوں سے دنا دن گولے پھینکے بم برسائے
 سو دو سو وہیں ایک باڑھ میں ڈھیر ہوئے کروٹ بھی نہ لی
 جب کوہجے میں گولی برسی جب کوہجے میں جنگ ہوئی

اس پر بھی سرخوں کے ارادے باغی کے باغی ہی رہے
بلکہ اب تو سرخ پھریرے اور بھی اونچے اڑنے لگے
باغیوں کے گیتوں کی تانیں شعلے سے برسانے لگے
شام و سحر اس کیمپ سے باہر گرم ہوائیں آنے لگیں
ان لوگوں کو گالی جھڑکی کھانا تک منظور نہ تھا
اپنے جسموں پر نعرے گدوانا تک منظور نہ تھا
خون ہمارا پھر کھول اٹھا پھر سوئی غیرت جاگی
پھر کوجے میں گولی برسی پھر کوجے میں جنگ ہوئی

کہیں پتھر کہیں بانس کی لاٹھی کہیں چاقو تھا کہیں بھالا
ان لوگوں کے پاس لڑائی کا کیا کیا سامان نہ تھا
اسی عالم میں حملہ کرنے پلٹن کی پلٹن اڑی
امریکی جانوں کی ان کو ذرہ بھر پروا نہ ہوئی
ہم تنہا اور پاس ہمارے یہی ٹینک یہی طیارے
اس پر بھی ہم لوگ نہ کچھ گھبرائے نہ کچھ ہمت ہارے
ایک طرف تھے کیمپ کے باسی ایک طرف ہم پردیسی
جب کوجے میں گولی برسی جب کوجے میں جنگ ہوئی

کہنے کو اس کیمپ میں چھ سو لنگڑے اور اپانچ تھے
لڑنے میں پر یہی لوگ تھے دوسروں سے آگے آگے

گھٹنوں اور ہاتھوں پہ اچکتے بڑھتے تھے ظالم وحشی
ایک ایک کے ہاتھ میں تھی لکڑی کی بھیانک بیساکھی
ہم لوگوں کے پاس تو جو ہتھیار تھے ہم نے کہہ ہی دیا
اس پر بھی اس جنگ میں ہم لوگوں ہی کا پلہ جھکا رہا
اسی نوے وہی مرے اور ایک ہمارا امریکی
جب کو بے میں گولی برسی جب کو بے میں جنگ ہوئی

امن کا ساتھ دیا ہے امن کا ساتھ سدا دیں گے
چاہے ہمیں اس امن کی خاطر تیسری جنگ بھی لڑنی پڑے
امن کی اور کسے خواہش ہے آزادی کی کس کو طلب
ایٹم بم نیپام کے گولے جو مانگو تیار ہے سب
پہنچے گا ابھی ان کی بدولت دور دور تک امن کا نام
کوریا میں لڑنے والے امریکی جانباڑوں کو سلام
تاریخوں میں نام رہے گا دنیا کبھی نہ بھولے گی
کیوں کو بے میں گولی برسی کیوں کو بے میں جنگ ہوئی



کوریا کی خبریں

آج امریکہ کے بمباروں نے بمباری کی
بند یالو کا تہہ کر کے بالآخر چھوڑا
نیم شب گھنچے اڈیٹر کو جمائی آئی
ایک کالم میں کہیں اس کو بھی اس نے جوڑا
عید مسعود کے پیغاموں کے تھوڑا نیچے
اور اسی شام کو اخبار وہ باسی بھی ہوا

اور یالو کے بڑے بند کی بجلی گاہیں
ایک جھلے سے خرابے کے سوا کچھ نہ رہیں
کف اڑاتی ہوئی یکبارگی لپکیں موجیں
آہن و سنگ کی دیواریں جو تیورا کے گریں
اور اس رات کہیں نور تہ تقسیم ہوا
کارخانوں کی وہ دیو زاد مشینیں نہ چلیں

اتنے برسوں نے انسان نے پتھر ڈھوئے
تب کہیں ساحل یالو کا یہ پشتہ ابھرا
دور کی مل کے مچلتے ہوئے پہنے گھوے
دور کے شہر کی شہراہ کا چہرہ چکا

اور امریکہ کے بمباروں کی اک ٹکڑی نے
ایک ساعت میں اسے نیست و نابود کیا

اپنے اس ملک سے وہ پیار ہے ہم کو کہ ادھر
دوسرے ملک کا کوا بھی نہ آنے پائے
اور اک دیس میں جب وحشی ہنوں کے لشکر
موت کے تحفے غلامی کے سندیے لائے
ہم نے ان لوگوں کی نصرت کی دعائیں مانگیں
ہم نے ان لوگوں کی عظمت کے قصیدے گائے

یاں نہ شعلوں کی تپک اور نہ توپوں کی شک
یالو دریا ہے بہت دور بہت دور کہیں
پھر بھی اک بات ہے انسان سے حیوان تنک
جس کا اس حال مشکل ہی سے آئے گا یقین
اب کہ یالو کے بڑے بند کی بجلی گاہیں
ایک جھلے سے خرابے کے سوا کچھ بھی نہیں

کوریا میں سے لڑائی کی نئی سالگرہ
آج اس جنگ کے آغاز کو دو سال ہوئے
پڑھنے والے نے کنکھیوں ہی سے اس کو دیکھا
اور اخبار کے دو چار الٹ کر صفحے

اب کے شہزادہ علی کس سے کریں گے شادی
ایک مضمون کو پڑھنے لگا بے تابی سے

جیسے یہ سالگرہ عید عزیزاں ہی تو ہو
جیسے کچھ دیر میں لاتے ہوں بجیلے مہماں
ایک ننھے سے حسیں چاند کی دلجوئی کو
نکلت و رنگ و لطافت میں بے خوان گراں
شور تبریک میں تحفوں کے کھلیں گے دھاگے
اور ہر شے پہ مچل جائے گا وہ جان جہاں

اور یہ جشن یہی سالگرہ دور کہیں
ایک وادی میں سے گزری ہے جو چپکے چپکے
کوئی صحرا کا چھلدا کسی لاشے کے قریں
کس کے ہونٹوں کی حلاوت کے پرانے قصے
ایک لمحے کو سناتے ہوئے رک جاتا ہے
اور کہتا ہے کہ اس بات کو دو سال ہوئے
دور کے دیس سے آتے ہیں بجیلے مہماں
کوریہ کے لیے تحفے میں کھلونے لے کر
یہ ہیں بمبار یہ نیلا سا ہے یو این کا نشان
یہ رہے ٹینک یہ توپیں یہ جبالے لشکر
یہ رہی موت یہ ویرانی یہ بندی خانے

تجھ سے کیا چیز ہے اے جان برادر بہتر

دشت ویراں میں کسی غول بیاباں کی طرح
 قافلے کوریا والوں کے بھٹکتے نکلے
 کون منزل ہے کہاں پہنچیں کے بھٹکے راہی
 آپ کٹ جائیں گے اس راہ کے کٹتے کٹتے
 درد کی رات ہے لمبی شب ہجراں کی طرح
 جس میں مہتاب کی مشعل ہے نہ تاروں کے دیئے

سطح کاغذ پہ سیاہی نے چنی ہے افشاں
 گلے گلے صفحوں پہ یہ بے جاں سی سطور
 کتنی گودوں کے اجڑنے کا بنی ہیں عنوان
 کتنی مانگوں سے دھلاتی ہیں رسیلا سیندور
 کتنے کھیتوں میں اگاتی ہیں پر آشوب دھواں
 کتنے میدانوں میں قبروں کی قطاریں بھرپور
 ریڈیو شام کا لاتا ہے شپاشپ خبریں
 ہر نئی صبح چلا آتا ہے تازہ اخبار
 آج تو گاؤں سب کا بھی یاد آیا زد میں
 اب تو اک جھلسا خرابہ ہے وہ خستہ مسمار
 آج نیپام نے جھلسا دی ہے کشت دہقاں
 آج زندوں کے لیے کھودے ہیں زندوں نے فرار

بحثیں ہوتی ہیں بھرے کیفوں میں ایوانوں میں
 کون اس جنگ میں مجرم ہے یہ کس کو معلوم
 کون سے ملک کی سرحد ہے کہاں کیا جانیں
 کوریا والے کہ امریکی ہیں اس میں مظلوم
 کیوں عبث جی کے جلانے کو تم اخبار پڑھو
 ایک ہم زندہ حقیقت ہیں یہ باقی موہوم

زخمی بچوں کی کراہوں میں ترنم ہے نہ لوچ
 ننگی نرسوں کی نگاہوں میں نہ رس ہے نہ مٹھاس
 جھلے کھیتوں کے نظارے سے تو پھلتی نہیں سوچ
 سونے شہروں نے تو پہنا ہے اداسی کا لباس
 پھر وہ کچھ لوگ سجانے چلے ایوان غزل
 کوئی مضمون ہی نہیں شاعر مجبور کے پاس
 آج یالو ہے توکل اور بھی پشتہ کوئی
 اب ستمو ہے توکل اور بھی قریے ہوں گے
 آج پورب کے خرابوں میں ہے اترا کوئی
 کل یہ کرگس سبھی اطراف میں پھیلے ہوں گے
 آج کے روز جو یہ بات نہ سمجھا کوئی
 آنے والے ہیں جو ایام وہ کیسے ہوں گے؟

